محمد انیس فاروقی

Phone : 3561831

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا

ادب ایک پیچیدہ تخلیقی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے ایسے عمل کے نتیجے میں ایسی تخلیق وجود میں آتی ہے جس میں ہمہ گیری دل و دماغ کو چھونے اور انمیں تاثر پیدا کرنے کی طاقت ہوتی ہے تو وہ ادب پارہ شہ پارہ بن کر زمانے زمانے تک پڑھا سمجھا اور سراہا جاتا ہے۔ انیس فاروقی کی کہانیوں کا مجموعہ " ریزہ ریزہ چاندنی " ایک ایسی ہی ہلکی پھلکی دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ ہے یہ سب مقصدی ادب کی نمائندہ کہانیاں ہیں۔

ا. د. شاکرہ، حیدرآباد

(بہ تبصرہ روزنامہ "سیاست" حیدرآباد۔)

"ریزہ ریزہ چاندنی" میں شامل کہانیاں مسائل پر مبنی ہیں۔ جہیز کا مسئلہ ہو یا اِس مادیت پرست داعلیٰ انسانی اقدار اور سماجی وقار سے محروم دنیا میں حقوق العباد پر مبنی مسائل، آج ایسی کہانیوں کی سماج اور فرد دونوں کو خاص ضرورت ہے۔

(بہ تبصرہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی)۔

انیس فاروقی کی کہانیوں کے کردار افسانوی نہیں حقیقی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں کہانیوں میں اختصار پسندی سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ اپنی بات کو کم سے کم وقت میں کہنا چاہتے ہوں۔ اس افتادِ طبع کا ایک سبب شاید یہ بھی ہو کہ وہ سیول انجینئر ہیں عمارتوں کے نقشے بناتے بناتے اِن عمارتوں میں مقیم لوگوں کی زندگیوں کے خاکے کھینچنے کیلئے وقت نکال لینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا شاید انہیں علم ہیکہ

خاموشیاں بھی اک دن مُنہ اپنا کھولتی ہیں
کہ
گونگے ملیں مکیں تو دیواریں بولتی ہیں

تبسم سلطانہ ایم۔اے۔ (ریسرچ اسکالر)۔

حقوق بحقِ مُصنّف محفوظ

نام کتاب کرچی کرچی خواب

سنہ اشاعت ۱۹۹۸ء

پہلا ایڈیشن پانچ سو ۵۰۰

سرورق سید اسد بخاری، فرید آرٹس مہدی پٹنم حیدرآباد

کمپیوٹر شکیل کمپوزنگ سنٹر، سعید آباد

طباعت الھُدیٰ پرنٹرس، جمال مارکٹ، چھتّہ بازار

ناشر مُصنّف

جُزوی مالی اِعانت آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی حیدرآباد

قیمت ساٹھ روپے (Rs 60 =)

مِلنے کا پتہ :- "نورِ جبیں" ۹-۴-۶۱/۸۲
معراج کالونی، ٹولی چوکی، حیدرآباد ۸ء

۲۔ ہمالیہ بک ڈپو، ناہپلی بازار
درگاہ یوسفین روڈ، حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۰۱

انتساب

برادرِ محترم

جناب محمد ایوب فاروقی صاحب صابر

کے نام

جن کی رہنمائی و ہمت افزائی نے
میرے شوقِ افسانہ نویسی کو جِلا بخشی۔

محمد انیس فاروقی

فہرست

سرد پلکوں کی صلیبوں سے اُتارے ہُوئے خواب
ریزہ ریزہ ہیں میرے سامنے شیشوں کی طرح

پیش گفتار

ہمارے ہاں شعر و ادب میں، جن معدودے چند اصناف نے نئی سمتوں پر سفر جاری رکھا ہے، کچھ نکھر گئی ہیں، کچھ مہک گئی ہیں اور ان کے وزن و وقار میں اضافہ بھی ہوگیا ہے، مختصر افسانہ ان میں سے ایک ہے ۔ رومانی افسانے، مقصدی افسانے ٹائپ افسانے اور روایتی افسانوں سے قطع نظر اشاریتی افسانے تجریدی افسانے، اینٹی افسانے، پلاٹ لس افسانے اور ۔۔۔۔ غرض ان دنوں ہر نوع کے افسانے لکھے جارہے ہیں ۔ لایعنی اور بے معنی افسانے بھی ۔ ! ۔۔۔۔۔ ایسے میں وہ فنکار بھی ہیں جو نئے میلانات اور رجحانات سے قطع نظر اپنے آپ میں مگن، اپنے انداز سے لکھ رہے ہیں اور اچھا بھی لکھ رہے ہیں ۔ ایسے ہی فنکاروں میں محمد انیس فاروقی بھی ہیں ۔

محمد انیس فاروقی گذشتہ (۲۰)، (۲۵) برسوں سے افسانے لکھ رہے ہیں ۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "ریزہ ریزہ چاندنی" ۱۹۹۴ میں شائع ہوا اور اب وہ اپنے افسانوں کا دوسرا مجموعہ پیش کررہے ہیں "کرچی کرچی خواب" ۔۔۔۔۔ افسانہ نگاری کے اپنے اس سفر میں انہوں نے ایک دنیا دیکھی ہو لیکن ان کے افسانوں کے موضوعات، ان کی فضاء، افسانہ نگاری کے رویہ اور ان کی زبان، لہجہ و اسلوب میں کم ہی تبدیلی آئی ہے ۔ انیس فاروقی نے اپنے لئے ہلکے پھلکے گھریلو رومانی موضوعات کو گویا منتخب کر رکھا ہے ۔ ان

کے زیادہ تر افسانے ایسے ہی ہیں ۔ چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بہن بھائی (کبھی کبھی کچھ اور بھی لیکن صرف کبھی کبھی) متوسط طبقہ، معاشرتی اقدار خاندانی تقدیس کو برقرار رکھتے ہوئے بندھے ٹکے دائروں میں محدود محبت، مرکزی کردار زیادہ تر انجینئر اور پس منظر میں مشرق وسطی کی ملازمتیں ۔۔۔ ایسے میں انہوں نے "انوکھا فیصلہ"، "فاصلے سمٹ گئے" اور "شمع" جیسے طربیہ افسانے بھی لکھے ہیں اور "کرچی کرچی خواب" جیسے المیہ افسانے بھی ۔ اور "ہم نے یونہی نہیں چاہا تم کو"، "نئی صبح" اور "فرق" جیسے افسانے بھی جو المیہ ہوتے ہوتے طربیہ بن گئے ۔ ہاں اس مجموعہ کے دو افسانے "جواب" اور "چاہت کی جیت" ان کے افسانوں کے عمومی مزاج سے جداگانہ ہیں ۔ موضوعاتی افسانے کہہ لیجئے ۔ "جواب" کو میں کچھ زیادہ ہی اہمیت دونگا ۔ دہشت گردی کے موضوع پر یہ افسانہ المیہ ہے ۔ افسانہ نگار نے صرف افسانہ نگاری نہیں کی بلکہ بتایا ہے کہ دہشت گردی کا ایک سبب یہ بھی ہے ۔ افسانہ متاثر کرتا ہے ۔ "چاہت کی جیت" مخالف جہیز قانون کے غلط استعمال کا احاطہ کرتا ہے ۔ انیس فاروقی نے کچھ اور ہی زاویہ سے کام لیا ہے کہ لڑکی والے بھی اس قانون کا کیسا استحصال کرتے ہیں ۔ افسانہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔۔۔ میں یہاں انیس فاروقی کے افسانوں کے پہلے مجموعے "ریزہ ریزہ چاندنی" کے دو تین افسانوں کا تذکرہ ضرور کرونگا ۔ اس مجموعہ میں بھی ایسے ہی گھریلو محبت کے افسانے زیادہ ہیں ۔ قطع نظر ان کے "آزاد مملکت" انیس فاروقی کا پہلا افسانہ ہے لیکن ان کا یہ ایک عمدہ افسانہ ہے اور "انعام" اور "پرائی خوشبو" بالترتیب جہیز اور برتھ کنٹرول سے متعلق ہیں ۔ انہوں نے ہماری معاشرت کی دکھتی رگوں کو چھیڑا ہے اور بڑی حد تک اچھے پیرایہ میں ۔۔۔۔

انیس فاروقی کے افسانوں کی ایک نمایاں خوبی روایت کا پاس و لحاظ، معاشرتی اور تہذیبی اقدار کا احترام اور ایک پاکیزہ گھریلو فضاء کی تخلیق ہے جو دلکش بھی ہے اور دلآویز بھی ۔۔۔۔ یہ جو ان دنوں شعر و ادب میں بے راہ روی اور اقدار کی پامالی ملتی ہے

اس سے انہوں نے خود کو محفوظ رکھا ہے جہاں تک زبان و بیان کا تعلق ہے ۔ انیس
فاروقی کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے ۔ الفاظ کے مزاج کو ملحوظ رکھنا ا
کا صحیح سیاق و سباق میں استعمال ، یہ ہنر ان کو خوب آتا ہے ۔ رواں دواں ، شیریں ا
سرشاری لیا ہوا پیرایہ بیان کہ قاری ان کے افسانوں کی دنیا میں کھو سا جاتا ہے ۔ اپنے
جانے پہچانے ماحول اور کرداروں کے علاوہ گھلاوٹ اور حلاوت لیا ہوا اسلوب ان کے
افسانوں کو پرکشش بنا دیتا ہے ۔ قاری کے لئے دلچسپی کے اس سامان سے ہر افسا
مزیں ہے اور قاری یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایسے افسانے پڑھ چکا ہے ہر افسانہ میں
جاذبیت محسوس کرتا ہے کہ افسانہ ختم کئے بغیر چین ہی نہیں آتا ۔ یہ افسانہ نگاری کی بڑ
کامیابی ہے ۔ مزید برآں ان کے موضوعات خواہ کچھ ہوں ان کے ہاں افسانہ پن ملتا ہے
اس دور میں جب کہ افسانہ سے افسانہ پن ختم ہوتا جارہا ہے ایسے افسانے اپنی مرتبہ
رکھتے ہیں ۔

میں انیس فاروقی سے صرف ایک بات عرض کرونگا ۔ اور بھی دکھ ہیں زمانے
میں محبت کے سوا ۔ زندگی کے کئی رخ ، کئی پہلو ہیں ۔ وہ زندگی کو کچھ اور زاویوں سے بھی
دیکھیں "جواب" ، "چاہت کی جیت" ، "آزاد مملکت" ، "انعام" اور "پرائی خوشبو" کی طرح
اور کئی موضوعات ہیں جو منتظر ہیں کہ انیس فاروقی اس طرف متوجہ ہوں ۔ ان کے پڑھنے
اور پسند کرنے والے ان سے یہ بھی چاہتے ہیں ۔

سلیمان اطہر جاوید

۲۷ / ستمبر ۱۹۹۸ء

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
ٹولی چوکی ، حیدرآباد ۔ ۵۰۰۰۰۸

ابتداء کرتا ہوں اس کے نام سے

میرے افسانوں کے پہلے مجموعہ "ریزہ ریزہ چاندنی" کی حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں جس طرح سے پذیرائی کی گئی وہ میرے لئے حوصلہ افزاء رہی ۔ اس مجموعہ کی رسم اجراء جدید لب و لہجہ کے نامور افسانہ نگار جناب عوض سعید مرحوم کے ہاتھوں انجام پائی ۔ اس موقع پر ممتاز افسانہ نگار ڈاکٹر بیگ احساس اور نقاد قدیر الزماں نے مجموعہ میں شامل کہانیوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ۔ بعد میں "سیاست" حیدرآباد میں محترمہ ا ۔ و ۔ شاکرہ اور "راشٹریہ سہارا" دہلی میں ادارہ کی طرف سے ان کہانیوں پر حوصلہ افزا تبصرے شائع ہوئے ۔ یہی نہیں بلکہ حیدرآباد اور دیگر مقامات سے ادبی ذوق کی حامل شخصیتوں نے بھی میرے افسانوں اور کہانیوں پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی آراء روانہ کیں ۔ ان تمام کی حوصلہ افزائیوں نے مجھے بھرپور حوصلہ بخشا جس کے نتیجہ میں آج میں اپنے افسانوں اور کہانیوں کا دوسرا مجموعہ "کرچی کرچی خواب" لیئے قارئین کی خدمت میں اس امید کے ساتھ حاضر ہو رہا ہوں کہ میرے پہلے مجموعہ کی طرح اس مجموعہ کو بھی ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔

چند ادیبوں اور نقادوں کے خیال میں آج کے ادیب کو قاری کی ذہنی سطح سے اونچا اٹھنا چاہیئے ۔ بات راست کہنے کے بجائے ابہام کا سہارا لینا چاہیئے ۔ گفتگو اشاروں اور کنایوں میں ہو ، فن کو تجریدی ہیئت اختیار کرنی چاہیئے ، غالب نے " بھی بیان کے لئے اسالیب میں وسعتوں کا مطالبہ کیا تھا ۔ لیکن اگر ادب کو زندگی کے قریب ہونا ہے ۔ سماج اور معاشرے میں بکھرے مسائل کا تجزیہ کرنا ہے اور ناپسندیدہ قدروں کی صرف نشان دہی نہیں معاشرے میں صحت مند رجحانات کو پھیلانا ہے تو قاری کے ذہن کو جھنجوڑنے کے لیئے اس کی ذہنی سطح کو نگاہ میں رکھ کر ہی ادب کی تخلیق سود مند ثابت ہوگی ۔

آج کے کمپیوٹر دور میں ادب کی تخلیق کا مقصد نہ قارئین کے لیئے تفریح طبع ہے

گرمیت سنگھ ایک انتہائی نیک صفت نوجوان تھا اس نے کامرس میں پوسٹ گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی اور جب کوئی ڈھنگ کی ملازمت نہ مل سکی تو اس نے اپنا ایک چھوٹا موٹا بزنس شروع کیا جو آہستہ آہستہ ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا۔ اس کی انتھک محنت آخر رنگ لائی اور آج اس کا شمار شہر کے ایک کامیاب بزنس مین میں ہونے لگا۔ وہ بچپن ہی سے بہت خاموش طبع کم گو اور اپنے کام سے مطلب رکھنے والا نوجوان تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہوئے کوئی پندرہ بیس برس کا عرصہ بیت گیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب وہ ہائر سکنڈری کا طالب علم تھا۔ اس کی ماں چونکہ ایک باہمت خاتون تھیں اس لئے وہ اپنی کشتی حیات مصیبتوں کے سمندر کے بھنور میں پھنسنے سے پہلے ہی ساحل تک لے آئیں جس کے لیئے انہیں اپنی پرشباب جوانی اپنی اولاد پر قربان کرنی پڑی اور بھری جوانی میں بیوگی کے سفید بے داغ لباس کو اپنا مقدر بنانا پڑا جس کا انعام واہے گرو نے نیک اور صالح بیٹا گرمیت سنگھ اور سگھڑ وسلیقہ شعار بیٹی سریندر کور کے روپ میں دیا اور آج وہ تینوں واہے گرو کی کرپا سے قابل رشک زندگی گزار رہے تھے ۔سریندر کور کی شادی ہو چکی تھی اور گرمیت کی شریک حیات کی تلاش جاری تھی۔

گرمیت سنگھ چونکہ کچی عمر میں ہی باپ کے شفیق سائے سے محروم ہو گیا تھا اس لئے بہت حساس طبیعت کا مالک تھا اور اپنے اندر ایک دردمند دل رکھتا تھا، جب کبھی اس کے شہر یا آس پاس میں دہشت گردی کے سبب اموات ہوتیں تو وہ پہلا شخص ہوتا جو متاثرہ افراد خاندان سے ملتا اور اپنی بساط بھر ان کی مدد کرتا اور انہیں باز آباد کار ہونے تک مالی مدد جاری رکھتا۔ اس کے اس عمل کا پتہ کسی کو نہ ہوتا یہ تو بس وہی جانتا تھا یا پھر اس کے واہے گرو۔ اس کا یہ ایقان تھا کہ انسان جب نیک عمل کرے تو یوں کرے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

نہ تخلیق کار کے اپنے ادبی ذوق کی نمائش۔ کسی ادیب یا افسانہ نگار کی کوئی ایک تخلیق ہی اگر معاشرہ کے کسی ایک فرد کی اصلاح کردے تو میں کہوں گا کہ اس ادیب یا افسانہ نگار نے اپنے قلم سے معاشرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا کردیا۔ عصری حسیت صرف ماحول کی خرابیوں کا احساس رکھنے ہی کا نام نہیں اس کی اصلاح کا کام بھی ہے۔ اور یہی ادب جو سماج اور معاشرے میں انقلاب برپا کردے اصل ادب ہے۔

اس مجموعہ میں شامل اگر میری ایک کہانی ہی معاشرے کے کسی ایک فرد کو متاثر کردے تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کاوش کامیاب ہوی اور مجھے میری کاوشوں کا انعام مل گیا جیسا کہ اس سے قبل بھی میں نے کہا تھا کہ میری کہانیوں اور میرے افسانوں کے کردار ہیں جیتے جاگتے کردار جو میرے آس پاس ہیں کچھ ٹوٹے دلوں کی داستانیں کچھ یاس میں ڈوبی تمناؤں کے خاکے۔

صرف کاغذ پہ یہ بکھرے ہوئے الفاظ نہیں عکس ہے ان میں کئی ڈوبی تمناؤں کا

اس امید کے ساتھ اپنا یہ دوسرا مجموعہ "کرچی کرچی خواب" قارئین کی خدمت میں پیش کرہا ہوں کہ اس بار بھی میری ہمت افزائی کی جائے گی۔

میں شکر گذار ہوں آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی، حیدرآباد کا جس کے جزوی مالی تعاون کے باعث یہ مجموعہ شائع ہوسکا۔

میں مشکور ہوں جناب پروفیسر سلیمان اطہر جاوید صاحب کا جنھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود اس مجموعہ میں شامل میری کہانیوں اور افسانوں پر اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا۔ میں شکر گذار ہوں جناب محمد عارف الدین صاحب کا جن کے زرین مشوروں نے اس کتاب کی کتابت تزئین میں میری مدد فرمائی۔

محمد انیس فاروقی

معراج کالونی، ٹولی چوکی، حیدرآباد

کیوں اپنا جی ہلکان کئے جارہا ہے اگر واہے گرو چاہے تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ انھوں نے جب پیار سے سمجھایا تو وہ اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔

کل کا یہ واقعہ اس کے ذہن سے جیسے چمٹ کر رہ گیا تھا وہ اس قدر متاثر تھا کہ اس نے اپنے کاروبار بھی چند دنوں کے لئے بند رکھے۔ اسی درمیان اس کے ذہن میں ایک تجویز ابھری کہ کیوں نہ ایک ایسی تنظیم بنائی جائے جس سے دہشت گرد افراد کو معمول کی زندگی میں لوٹ آنے کی ترغیب دی جائے۔ چند ہی دنوں کی افہام و تفہیم کے بعد وہ اپنے چند دوستوں کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ انھوں نے مل کر ایک فورم تشکیل دی۔ انھوں نے طے کیا کہ وہ لوگ جو بھی کام کریں گے اس کی تشہیر نہ کی جائے گی، ہر کام راز میں رکھا جائے گا۔ اس کے ایک ساتھی نے کہا "اگر شک کی بنیاد پر پولس ہمیں بھی دہشت گرد سمجھ کر گرفتار کرلے گی تو کیا ہوگا؟

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو" ایک اور ساتھی نے کہا "لیکن اس کا بھی راستہ ہے ہمارے پاس کیوں نہ ہم سرکار کی بھی مدد حاصل کرلیں، ہم حکومت سے یہ بھی مطالبہ کریں گے کہ ہمارے تصویری شناختی کارڈ متعلقہ محکمہ جات کو بھیج دیئے جائیں تاکہ یہ خدشہ بھی دور ہوجائے۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ گرمیت سنگھ نے کہا اس کے لئے ہم ریاستی وزیر سماجی بہبود سے رجوع کریں گے اور اپنے اس فورم کے لئے حکومت کی سطح پر بھی تحفظ حاصل کریں گے"

"جب کوئی کام صدق دل سے کیا جاتا ہے جو کہ نیک نیتی پر مبنی ہو اور کام کرنے والے بے لوث ہوں تو واہے گرو اس میں ضرور کامیابی عطا کرتے ہیں" گرمیت سنگھ اپنے ساتھیوں سے اکثر یہی کہتا اور ہوا بھی ایسا ہی۔ وہ لوگ جب ریاستی وزیر سے ملے اور اپنے فورم کی تشکیل کے بارے میں ان سے بات کی اور ان کی سرپرستی چاہی تو وزیر موصوف بہت خوش ہوئے وہ ان سب کو گلے لگا کر مبارکباد دیتے رہے اور ان کے

آج صبح صبح جب اس نے اخبار پڑھا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل چیر ڈالا ہو۔ اخبار کے پہلے ہی صفحہ پر جو خبر چھپی تھی اسے پڑھ کر اس کا دل گویا خون کے آنسو رونے لگا، اس کے جگری دوست اور بچپن کے ساتھی ہرمندر سنگھ کے گھر پر کل رات دہشت گردوں نے حملہ کیا تھا اور اس کے بوڑھے پتا کے ناتواں جسم کو گولیوں سے بھون دیا تھا اور جب اس کی جوان بہن کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے اپنے ہی گھر کے کنویں میں چھلانگ لگا کر جان دیدی تھی۔ اخبار میں مزید تفصیل کچھ یوں بیان کی گئی تھی کہ ہرمندر سنگھ نے کبھی کسی دہشت گرد کے خلاف عدالت میں گواہی دی تھی تب سے وہ لوگ اس کی جان کے پیچھے پڑ گئے تھے اور کل رات بھی اسی کی تلاش میں اس کے گھر پر حملہ کیا تھا لیکن چونکہ ہرمندر گھر پر موجود نہ تھا اس لئے جذبہ انتقام نے اپنا کام کر دکھایا۔ گرمیت سنگھ اس خبر کو پڑھ کر مبہوت سا بیٹھا رہ گیا تھا اور اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ بیٹے کو اس طرح بیٹھا دیکھ کر اس کی ماں اس کے قریب آئی تو دیکھا وہ رونے کے قریب تھا۔ انہوں نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے پتر تو کیوں رو رہا ہے ؟"

گرمیت نے آج کا اخبار ان کے آگے کر دیا اور پوچھا " ماں یہ کیسا جنون ہے کہ بیٹے کا بدلہ اس کے بوڑھے باپ اور جوان بہن سے لیا جائے۔ آخر اس درندگی سے حاصل کیا ہے "آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں کیوں ایسی آگ پھیلا رہے ہیں جو ساری قوم اور ملک کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی ہے اور ہمارے سارے معاشرے کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کرنے لگی ہے۔

ہاں پتر تو جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے۔ واہے گرو ہی ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھائے گا۔ نجانے انہیں کیا مل جاتا ہے کسی ماں کی گود سونی کر کے کسی سہاگن کی مانگ کا سندور مٹا کر کسی بہن کے بھائی کو چھین کر اور کسی باپ کو بیٹے سے جدا کر کے، کچھ بھی تو انہیں حاصل نہیں ہو پاتا پھر یہ لہو رنگ ہولی کیوں کھیلی جا رہی ہے، پر پتر تو

کے اعلیٰ عہدیداروں کو بھی اس بابت مطلع کر دیا تھا تاکہ اگر انہیں پولس کی مدد درکار ہو تو وہ بہ آسانی مل سکے ۔ حسب پروگرام وہ وہاں پہنچے اور بڑی منت سماجت کے بعد اپنی بات شروع ہی کی تھی کہ پولس نے دھاوا بول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو گیا ۔ اس غیر متوقع واقعہ پر گرمیت سنگھ اور اس کے دوساتھی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ، وہ انتہائی غصہ کی حالت میں پولس کے اعلیٰ عہدیدار کے گھر پہنچے تو وہاں کا منظر دیکھ کر انہیں جہاں بے حد تعجب ہوا وہیں ان کا خون بھی کھول گیا ۔ پولس کے اعلیٰ عہدیدار کے گھر شراب اور شباب کی محفل جمی تھی ، جہاں پولس کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ چند سیاسی نیتا بھی موجود تھے ۔ ان میں سے جب ایک نیتا نے کہا ، کمشنر صاحب بڑے چلے تھے اصلاح کرنے ، کم بختوں نے ہمارا سارا دانہ پانی بند کروا رکھا تھا ، ساری زندگی عذاب کر ڈالی تھی سالوں نے ۔ آج انہیں ان کے اصلی ٹھکانوں پر پہنچا دیا گیا ہے جہاں ان کا واہے گرو ان کے نیک کرموں کا پھل انہیں دے رہا ہوگا ۔ پھر ان ساروں کا ملا جلا قہقہہ فضا میں ابھرا تو اس کی گونج سے گرمیت سنگھ اور اس کے دونوں ساتھیوں کو یوں لگا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں انڈیل دیا ہو ۔ وہ تینوں غصہ کی آگ میں جھلس اٹھے ۔ پھر ان تینوں کے ریوالور سے گولیوں کی بوچھار ہونے لگی ، چند لمحوں بعد ہی وہ سارے موت کی وادی میں جا سوئے تھے ۔

دوسرے دن کے اخبار کی سرخیاں کچھ یوں تھیں ۔ کمشنر پولس کے گھر خطرناک دہشت گردوں کا حملہ ، کمشنر پولس اور چند سیاسی نیتا دہشت گردوں کی فائیرنگ سے ہلاک دہشت گرد بچ نکلنے میں کامیاب ۔ پولس کو ان کی تلاش ۔ پتہ بتانے والے کو پانچ لاکھ روپئے کا نقد انعام ، ادھر گرمیت سنگھ کو اس کے ذہن میں ابھرے سارے سوالوں کا جواب مل گیا تھا کہ آخر دہشت گرد ، دہشت گرد کیوں بنتا ہے ؟

(راشٹریہ سہارا نئی دہلی ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

جذبہ خدمت خلق کی داد بھی دی اور سراہا بھی انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں۔ انہیں جس طرح کی مدد درکار ہو وہ انہیں ضرور پہنچائیں گے اور ان کیلئے مکمل تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا۔ انہوں نے گرمیت سنگھ اور اس کے چاروں ساتھیوں کے تصویری شناختی کارڈ بھی بنوا کر انہیں بھیجنے کا وعدہ کیا اور ان کی تصاویر کی کاپیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ وزیر موصوف نے اپنا وعدہ وفا کیا اور گرمیت سنگھ کے نام ان کا خط شناختی کارڈز کے ساتھ ملا جس میں اس کار خیر کو شروع کرنے پر انہیں اپنی شبھ کامنائیں بھیجی تھیں۔

گرمیت سنگھ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ اصلاح دہشت گرد کام میں جٹ گیا، وہ لوگ اپنے بنائے ہوئے طریقہ اور اصول پر کاربند ہوگئے، رات کے کسی بھی پہر میں وہ خفیہ طور پر نکلتے اور دہشت گردوں کے کسی نہ کسی ٹھکانے پر پہنچ جاتے، انہیں سمجھاتے کہ جو راستہ انہوں نے اپنایا ہے اس کا انجام صرف اور صرف برا ہی ہے۔ اس لئے وہ اس مجرمانہ راستے کو ترک کردیں اور پھر سے عام آدمی کی طرح زندگی کی ہماہمی میں جٹ جائیں۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شامل ہوجائیں ان کی بے لوث محنت رنگ لانے لگی اور آہستہ آہستہ پہلے چند دہشت گرد اپنی زندگی کو بدلنے میں کامیاب ہوئے پھر ان کی تعداد میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوتا گیا، دہشت گردوں کی زبانی گرمیت سنگھ جب ان حالات کے بارے میں سنتا جنہوں نے انہیں دہشت گرد بننے پر مجبور کیا تو اس کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیلنے لگتیں اور کبھی کبھی واقعات اتنے شرمناک بھی ہوتے کہ وہ سن کر اپنی گردن شرم سے جھکا لیتا۔ پھر اسے ان معصوم نوجوانوں پر بے حد ترس آتا کہ جنہیں محض اپنے مفاد کی خاطر ایسے خطرناک دلدل میں ڈھکیل دیا گیا جس سے بچ نکلنے کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

آج رات گرمیت اور اس کے ساتھیوں نے دہشت گردوں کی ایک بہت ہی خطرناک ٹولی سے بات کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے پولس

میرا موکل یونیورسٹی میں لکچرر ہے اور ساری یونیورسٹی کو اس نوجوان لکچرر پر ناز ہے ۔ وہ اس لئے کہ اس نے اپنے اخلاق اور کردار سے اپنی شخصیت بنائی ہے جس میں نہ کوئی جھول ہے اور نہ ہی کوئی داغ ۔ یور آنر ۔ اس کیس کے سلسلے میں جتنے بھی گواہوں کے بیانات قلمبند کئے گئے ہیں وہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ایک دولت مند باپ اپنی دولت کے بل بوتے پر قانون کو غلط طریقہ پر استعمال کرتے ہوئے ایک معصوم اور بے گناہ نوجوان کی زندگی اور اس کے مستقبل سے کھیلنا اور کھلواڑ کرنا چاہتا ہے ۔ ایک قانون جسے عورت کے تحفظ کیلئے سرکار بناتی ہے اس کے غلط استعمال کرنے کی یہ عدالت اجازت نہیں دے سکتی ۔ جہیز مخالف قانون کا سہارا لیکر میرے موکل کو پریشان اور حراساں کیا جارہا ہے اور اسے ناکردہ گناہ میں پھانسنے کی سعی کی جارہی ہے ۔ بس یور آنر مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے ۔ وکیل صفائی نے اپنی بحث ختم کی ۔ عدالت کی کاروائی ایک ہفتہ کے لئے ملتوی کرتے ہوئے جج صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر چلے گئے ۔

کاشف یونیورسٹی میں لکچرر تھا ۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ انتہائی خوددار اور اصول پسند نوجوان تھا ۔ دیکھنے میں خوبرو اور جاذب نظر بھی ۔ کوئی ایک سال قبل اس کی شادی شہر کے ایک بہت بڑے بزنس مین سیٹھ ہاشم صاحب کی صاحبزادی ناظمہ سے ہوئی تھی یوں تو ناظمہ طبیعت کے لحاظ سے بہت اچھی لڑکی تھی لیکن چونکہ دولت مند گھرانے میں پروان چڑھی تھی اسی لئے کچھ شاہ خرچ بھی تھی ویسے تو ان دونوں میں آپسی سمجھ بوجھ اور اچھا تال میل تھا اس نے بہت حد تک خود کو کاشف کے گھریلو ماحول میں ایڈجسٹ کرلیا تھا لیکن کبھی کبھار اس کی کسی خواہش کا احترام کاشف اس لئے بھی نہیں کرپاتا تھا کہ وہ ایک محتاط قسم کا نوجوان تھا ۔ وہ اس بات میں یقین رکھتا تھا کہ آدمی کو اپنے پیر اتنے ہی پھیلانے چاہیئے جتنی کہ اس کی چادر ہو ۔ یہ اصول کامیاب زندگی گذارنے کی علامت بھی ہے ۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ایک شریک حیات ہونے کے ناطے

چاہت کی جیت

یور آنر ملزم ایک ایسا مجرم ہے جو انسانیت اور سماج کیلئے بدنما داغ اور ناسور بن گیا ہے آپ دیکھیے یور آنر ۔۔ ملزم دیکھنے میں ایک سیدھا سادہ معصوم چہرہ اور شرافت کا لبادہ اوڑھے کھڑا ہے لیکن یہ نوجوان ایک ایسے کردار کا مالک ہے جو ایک معصوم اور فرشتہ صفت لڑکی پر مزید جہیز کے لئے دباؤ ڈالتا رہا اور اس کی زندگی اجیرن کردی ، مجبوراً لڑکی کے والدین کو اس انسانی روپ میں چھپے بھیڑیئے کے چنگل سے چھڑانے کیلئے واپس اپنے گھر لے جانا پڑا ۔۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بہت ممکن تھا کہ ایک معصوم لڑکی کو جہیز کی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ۔ یہ لڑکی جو آج اپنے افراد خاندان کے درمیان کسی محفوظ پناہ گاہ کی طرح بے خوف و خطر جی رہی ہے پتہ نہیں کتنے عرصہ قبل ڈھیروں خاک تلے دفنادی جاتی ۔ اس کے لئے انہیں کیا چاہیئے تھا بس پڑول کی چند بوندیں اور دیا سلائی کی ایک سلائی یور آنر ۔۔ میری عدالت سے یہی درخواست ہے کہ اس مجرم کو ایسی سزا دی جائے جو سماج کیلئے عبرت کا مقام ہو تاکہ کوئی اور اس طرح کے اقدام کی جرات نہ کرسکے ۔۔ " یہ کہتے ہوئے پبلک پراسیکیوٹر اپنی نشست پر بیٹھ گیا ۔

مجھے اس بات پر سخت اعتراض ہے یور آنر ۔۔ میرے فاضل دوست شاید یہ بھول رہے ہیں کہ جب تک میرے موکل کا جرم ثابت نہیں ہوجاتا اسے کوئی مجرم نہیں کہہ سکتا ۔ میرے موکل پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے ۔ اینٹی ڈاوری ایکٹ (Anti Dowry Act) کا سہارا لیکر ایک شریف النفس اور باعزت نوجوان کے مستقبل کو تباہ اور برباد کرنے کی یہ سوچی سمجھی سازش ہے یور آنر ۔۔ میرا موکل ایک باکردار نوجوان ہے وہ ایک قابل احترام اور باعزت پیشہ یعنی پیشہ تدریس سے وابستہ ہے ۔ یہ ان نوجوان کی تربیت کرتا ہے جو آگے چل کر ملک اور قوم کا سرمایہ ثابت ہوتے ہیں ۔

ناظمہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں پر کاربند رہے ۔ ویسے ناظمہ کو اس کے بنائے ہوئے اصول وضوابط بھی پسند تھے اور وہ کاشف کو دل وجان سے چاہتی بھی تھی ، ان کی زندگی پرسکون اور قابل رشک گذر رہی تھی لیکن کبھی کبھی کچھ کھٹ پٹ اور ہلچل بھی ہوجاتی لیکن وہ دونوں بہت جلد سمجھوتہ کرلیتے ، کاشف یہ کہتا کہ چھوٹی موٹی کھٹ پٹ کے بغیر زندگی میں کیا لطف باقی رہ جائے گا ۔ انسان یکسانیت سے بہت جلد اوب جاتا ہے اور ایسی ہی ایک معمولی بات اتنی طول پکڑی کہ سیٹھ ہاشم نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا اور ادھر کاشف کسی بھی قیمت پر اپنی خود داری کا سودا کرنے کیلئے تیار نہ ہوا ۔ اپنے باپ اور بھائی کی بے جا ضد اور ہٹ کے آگے ناظمہ چاہتے ہوئے بھی کاشف سے نہ مل سکی ۔ انہوں نے طے کرلیا کہ وہ ضرور کاشف کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ ساری عمر پچھتاوے کی آگ میں جھلستا رہے ۔ سیٹھ ہاشم نے اپنے ایک دوست کے مشورے پر ایک جھوٹا کیس بنا کر کاشف کو پھنسایا اور اس پر مزید جہیز کی مانگ کا الزام لگا کر جہیز مخالف قانون کے تحت گرفتار کروایا اور پھر مقدمہ عدالت میں چلنے لگا ۔

پبلک پراسیکیوٹر و وکیل صفائی کی بحث اور تمام گواہوں کے بیانات سننے کے بعد جج صاحب نے کہا میں اپنا فیصلہ دینے سے قبل ایک بار محترمہ ناظمہ صاحبہ سے چند سوال کرنا چاہوں گا ۔ جج صاحب کے آرڈر پر ناظمہ کو وٹنیس باکس میں بلایا گیا ۔ اس کیلئے چونکہ یہ پہلا اتفاق تھا اس لئے وہ کچھ نروس اور پریشان پریشان سی تھی اور پسینے میں شرابور ہونے لگی پھر اس نے اپنی ساری ہمت جیسے جمع کی اور آکر ویٹنس باکس میں کھڑی ہوگئی پھر جج صاحب اس سے سوال کرنے لگے ۔

میں چند سوالات تم سے پوچھوں گا اور تم بغیر کسی خوف وخطر اور فکر وتردد کے سچ سچ جواب دوگی ۔ پھر انھوں نے اس سے پوچھا ” اپنی شادی شدہ زندگی میں تم نے جتنا عرصہ مسٹر کاشف کے ساتھ گذارا اس عرصہ میں کیا تمہارے شوہر نے کوئی شکایت کا موقع فراہم کیا ؟

جی نہیں جج صاحب، مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں رہی۔

کیا انہوں نے کبھی مزید جہیز لانے کا مطالبہ کیا اور آپ کو حراساں کرتے رہے جیسا کہ پولس کو دی گئی شکایتی درخواست میں کہا گیا ہے۔

"جی نہیں، انہوں نے کبھی کسی بھی قسم کا مطالبہ نہیں کیا" ناظمہ نے سچ کا سہارا لیا، پھر جھگڑا کس بات پر ہوا، تمہیں ان سے کیا شکایت ہے، کیا تم علیحدگی چاہتی ہو۔

"جج صاحب سچ بات تو یہ ہے کہ ہمارے بیچ کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے، شکایت مجھ کو میرے شوہر سے نہیں بلکہ اس قانون سے اور اس قانون کے رکھوالوں سے ہے، جو اپنے ضمیر کا سودا کرکے اس قانون کا غلط استعمال کر رہے ہیں اور کاشف جیسے خوددار نیک صفت اور اصول پسند نوجوانوں کی زندگی برباد کرکے ان کے مستقبل کو تاریک کر رہے ہیں، میرے والد جیسے دولت مند لوگ پولس کو خرید کر اسطرح کے جھوٹے کیس رجسٹرڈ کر رہے ہیں اور جہیز مخالف قانون کا سہارا لے کر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کی خاطر کاشف جیسے نوجوانوں کی زندگی سے کھلواڑ کر رہے ہیں، مجھے کاشف سے کوئی شکایت نہیں ہے، میں ان کے ہمراہ زندگی گذارنے میں خوشی محسوس کرتی ہوں کیونکہ میں نے ان جیسا خوددار انسان دیکھا نہیں ہے، مجھے ان سے اور ان کی خودداری اور انکے اصولوں سے بے حد پیار ہے میری آپ سے درخواست ہے کہ جج صاحب کچھ کریئے۔ اس قانون کا سہارا لے کر بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگی تاریکیوں کے بھنور میں پھنستی جارہی ہے" اتنا کہتے ہوئے وہ جذباتی ہوکر بلک پڑی اور آنسو اس کی پلکوں کے باندھ توڑ کر اس کے رخسار پر لڑھک آئے جنہیں وہ باوجود ضبط کرنے کے روک نہ سکی تھی۔

جج صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرنے لگی۔ پھر انہوں نے کیس خارج کرتے ہوئے کاشف کو باعزت بری کر دیا۔ پھر کاشف نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ناظمہ کو دیکھا جو اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے بہت قریب آیا

انوکھا فیصلہ

تڑاخ : فرحین کا ہاتھ فضا میں لہرایا اور ایک دھماکہ سا ہوا اور جاوید کے کھردرے گال پر اس کے نازک ہاتھ کی چاروں انگلیوں کے نشان ابھر آئے ۔ یہ واقعہ اتنا غیر متوقع ہوا تھا کہ دفتر میں بیٹھے ہر فرد کی توجہ ان دونوں کی جانب مبذول ہو گئی اور سارا اسٹاف ان کے قریب جمع ہونے لگا۔

جاوید کو فرحین سے اس طرح کے رد عمل کی توقع نہ تھی، وہ بس اسے گھور کر رہ گیا "یہ طمانچہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا مس فرحین" اس نے دل میں خود سے کہا۔

مسٹر جاوید بد تمیزی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، میری شرافت کے باعث آپ نے تمیز کی حدوں کو پار کرتے ہوئے ایک نیک صفت انسان پر اپنے ذہن کی گندگی کو اچھالنے کی کوشش کی ہے ۔ میری وجہ سے کسی کی نیک نامی مجروح ہو یہ میں قطعی برداشت نہیں کر سکتی، سمجھے آپ" وہ شعلہ بار نظروں سے جاوید کو دیکھتی ہوئی اپنے کیبن میں چلی آئی جہاں ڈرائنگ بورڈ پر چڑھا کمرشیل کامپلیکس کا ڈرائنگ اس کی فنکاری کا منتظر تھا، جسے آج ہی تکمیل کرنا تھا۔ پھر وہ اپنے کام میں جٹ گئی۔

فرحین معمار کنسٹرکشن کمپنی میں گذشتہ تین برسوں سے کام کر رہی تھی، اس نے آرکیٹکچر میں ڈگری حاصل کی تھی اور پھر اس کے ٹائلنٹ کو دیکھتے ہوئے معمار کنسٹرکشن کمپنی نے معقول تنخواہ پر بحیثیت اسٹنٹ آرکٹکٹ ملازمت دی تھی ۔ معمار کمپنی کے بے شمار رہائشی اور کمرشیل کامپلیکس شہر کے ہر نمایاں مقام پر زیر تعمیر تھے ۔ کمپنی والوں نے بڑی جدوجہد کے بعد مارکٹ میں اپنی ساکھ بنائی یہ محض ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کے مرحوم والد کے دوست ہاشم چچا کے بڑے لڑکے شوکت بھائی بھی اس کمپنی میں اچھی پوسٹ پر فائز تھے، انہیں یہاں دیکھ کر اس میں احساس تحفظ جاگنے لگا تھا، شوکت نہ

اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا " نازو ۔۔ مجھے تم پر ناز ہے ۔
سے ہم پھر ایک نئی زندگی شروع کریں ۔ " پھر وہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کمرہ
باہر چلے گئے "۔ناظمہ کی امی نجمہ بیگم نے دور تک انھیں جاتے ہوئے دیکھا ، دف
نگاہ نیلے اسمان کی طرف اُٹھی تو انھوں نے دیکھا پرندوں کا ایک جوڑا آہستہ
منزل کی جانب رواں دواں تھا ، پھر سکون اور طمانیت بھری مسکراہٹ ان کے
پھیلتی چلی گئی ۔
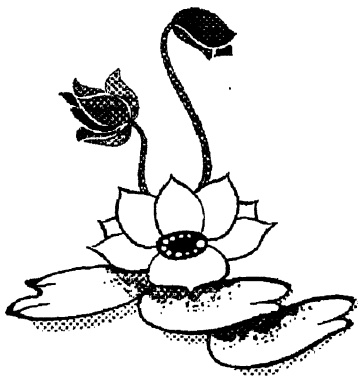
(اس کہانی نے راشٹریہ سہارا نئی دہلی کے
نویسی کے انعامی مقابلہ میں دوسرا انعام حاصل

اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ اس نے کل رات ہی اپنے استعفیٰ کی درخواست تیار کرلی تھی۔ وہ اپنی نشست سے اٹھی اور اپنے ہاتھوں میں نیلے رنگ کا لفافہ تھامے ایم ڈی صاحب کے اجلاس پر جا پہنچی۔

"السلام علیکم سر!" اس نے بہت ادب و احترام سے انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ مس فرحین آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھ جایئے" انصاری صاحب نے شفقت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

"دیکھئے مس فرحین مجھے کل وقوع پذیر ہوئے واقعے کا علم ہوا ہے۔ ہمارے آفس میں اس قسم کا واقعہ ڈسپلن شکنی کا باعث ہے اور آفس کی نیک نامی متاثر ہوسکتی ہے۔ میں آپ سے وجوہات جاننا تو نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور چاہوں گا کہ اس قسم کا کوئی واقعہ مستقبل میں وقوع پذیر نہ ہو" انصاری صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں سر آپ بیشک درست فرمارہے ہیں لیکن سر یہ تب ہی ممکن ہوسکتا ہے جب جاوید صاحب جیسے گندی ذہنیت کے حامل فرد آپ کے آفس میں نہ رہیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں سر کیا کسی جواں سال و خوبصورت لڑکی کو اپنے حالات کی مجبوری کے باعث اور اپنے خاندان کی کفالت اور ملازمت کرنے کیلئے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ یہ سماج جس میں مردوں کی اجارہ داری ہے کیوں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ضرورت مند خواتین اور نوجوان لڑکیاں جو کہ پیشہ ملازمت اختیار کرنے کیلئے گھر کی چار دیواری کے باہر قدم رکھنے کیلئے اس لئے مجبور ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کے سر پر ہمدردی کا آنچل رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ اپنے خاندان، اپنی بوڑھی بیمار ماں اور چھوٹے زیر تعلیم بھائی بہنوں کی کفالت کے لئے جب وہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تو اسے بھوکی اور ندیدہ نظروں سے تاکا جاتا ہے۔ اپنے ذہن کی گندگی اچھال کر اس کے بے داغ اور پاک دامن کو داغدار کیا جاتا ہے۔ کیوں سر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا عورت صرف عورت ہے۔ وہ تو ہر مرد کی ماں ہے، بہن ہے بیوی ہے اور بیٹی ہے۔ وہ تو مریم

صرف اعلی کردار کے مالک تھے بلکہ شادی شدہ اور دو پھول جیسے خوبصورت بچوں کے باپ بھی تھے ،فرحین بہت ہی محتاط رہتی اور دفتر میں کسی سے بھی زیادہ میل ملاپ اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرتی لیکن چونکہ شوکت اس کے مرحوم والد کے قریبی دوست کے صاحبزادے تھے وہ ان سے کسی قدر بے تکلف تھی ۔دفتر میں کام کے اوقات میں جب کبھی فرصت ملتی تو وہ وقت شوکت صاحب کے ساتھ گذارنے میں خوشی محسوس کرتی ۔شوکت ہی ایک ایسے شخص تھے جو کہ اس کے گھریلو حالات سے واقف تھے اسی لئے وہ فرحین کو بہت پسند بھی کرتے تھے کہ اس باہمت لڑکی نے برے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔

جاوید جو کہ کمپنی کے اکاؤنٹس دیکھتا تھا اور کنوارا بھی تھا ،اُسے یہ بات بڑی عجیب وغریب لگتی کہ فرحین تو کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی لیکن جب دیکھو شوکت صاحب کے پاس گھسی رہتی ہے ۔یہ جاوید کے اپنے ذہن کی اختراع ہی تھی کہ فرحین کا شوکت صاحب کے ساتھ زیادہ ملنا جلنا اور گفتگو کرنے کو وہ کچھ اور ہی رشتے سے منسوب کرتا ۔آدمی کا ذہن اگر گندگی کا پلندہ ہوتو ایسے شخص سے کسی اچھی بات کی توقع رکھنا بے سود ہوتا ہے ،چنانچہ آج کا واقعہ بھی اس کے گندے ذہن کی تخلیق ہی کا رد عمل تھا ،اس نے اپنے خیالات کی گندگی سے فرحین کے پاک دامن کو داغدار کرنے کی جب ایک ناکام سعی کی تو فرحین کا خون کھول گیا ۔شدت غم وغصہ میں اس کا ہاتھ فضا میں لہرایا اور ایک بھرپور طمانچہ اس نے جاوید کو رسید کردیا۔

آج کے اس غیر متوقع واقعے کی تفصیل جب معمار کنسٹرکشن کمپنی کے ایم ڈی جناب انصاری صاحب کو معلوم ہوئی تو انہیں بے حد صدمہ ہوا کہ ان کے دفتر میں اس طرح کی غیر اخلاقی حرکت ہوئی ہے ۔انہوں نے وجوہات جاننے کیلئے مناسب یہی سمجھا کہ فرحین سے راست بات کی جائے ،چنانچہ انہوں نے چپراسی کو حکم دیا کہ فرحین کو بلا لائے ،چپراسی نے آکر جب فرحین کو مطلع کیا تو وہ سمجھ گئی کہ ضرور کل والے واقعے پر

بھی ہے اور سیتا بھی عورت جو تخلیق کے کرب کو جھیل کر ایک مرد بچے کو جنم دیتی ہے اور وہی مرد بچہ جب بڑا ہوتا ہے ، جوان ہوتا ہے اور مرد کہلاتا ہے تو اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ایک عورت ، ایک لڑکی ، ایک بہن اور ایک ماں کے دامن عصمت کو تار تار کر کے اس کی جبیں پر بدنامی اور کلنکنی ہونے کا انمٹ داغ لگا دیتا ہے ، کیا یہی آپ کے سماج کا انصاف ہے سر بولئے سر" اتنا کہتے کہتے اس کی آواز بھاری ہو گئی اور آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑے ، چند لمحوں بعد جب وہ خود پر قابو پا گئی تو پھر کہنے لگی ۔" سر اس سے قبل بھی میں نے دو اور کنسٹرکشن کمپنیز میں کام کیا تھا اور ان ہی وجوہات کی بنا پر ملازمت چھوڑ دی تھی ۔ آپ کی کمپنی میں نے اسی لئے چنی تھی کہ یہاں کا ماحول مجھے کچھ بہتر لگا تھا لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ مجھے آپ کی یہ ملازمت بھی شاید چھوڑنی پڑے گی ۔ سر یہ میرا استعفی ہے " اس نے نیلا بند لفافہ انصاری صاحب کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا " اگر آپ کی نظروں میں خطا کار ہوں اور سزا کی مستحق ہوں تو میرا یہ استعفی قبول کر لیجئے گا یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑ دیتی ہوں ۔" پھر وہ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی ۔

فرحین چلی گئی تھی لیکن انصاری صاحب کے سارے وجود کو گویا جھنجھوڑ گئی تھی وہ سوچ رہے تھے کہ اتنی نازک اندام اور خوبصورت لڑکی اتنی باہمت اور خوددار بھی ہو سکتی ہے ان کی آنکھیں حیرت زدہ تھیں اور دل اس لڑکی کی پاک دامنی اور بلند کرداری کی گواہی دے رہا تھا ۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ کی سچائی گونج بن کر ان کے دل و ذہن میں ہلچل سی مچا رہے تھے ۔ اب ان کا ذہن کسی اور سمت سوچ رہا تھا ۔ وہ ایک جوہری کی طرح ہیرے کو پرکھ رہے تھے اور اس نتیجے پر پہنچ رہے تھے کہ فرحین کسی بیش قیمت ہیرے سے کم نہیں ، پھر انہوں نے اپنے تئیں ایک فیصلہ کر لیا ۔ انہوں نے کال بیل بجائی اور چپراسی کو شوکت صاحب کو بلانے کی ہدایت دی ، شوکت صاحب جب آئے اور فرحین کے بارے میں جو معلومات انہوں نے فراہم کیں وہ یہ تھیں کہ والد کے

انتقال کے بعد سے اس نے اپنے سارے گھر کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے ۔ گھر پر بچوں کو ٹیوشن دے کر خود تعلیم حاصل کی اور چھوٹے دو بھائیوں کو تعلیم دلواتی رہی ۔ ماں ضعیف اور بیمار ہے ان کی بھی بیماری کا علاج بڑی دلجوئی سے کرواتی رہی ہے اور ان کی خدمت کر رہی ہے یہ ساری تفصیلات انہیں مزید حیرت زدہ کرنے کیلئے کافی تھیں ۔ پھر وہ اس باہمت لڑکی کے اعلیٰ کردار کے قائل ہوتے گئے ۔

دوسرے دن انصاری صاحب کا فیصلہ جان کر ہر اسٹاف کے ممبر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں کیونکہ انہوں نے جاوید کو ملازمت سے نکال دیا تھا اور ساتھ ہی فرحین کا استعفیٰ بھی قبول کرلیا تھا اور یہی بات ہر ایک کیلئے لمحہ فکر بنی ہوئی تھی کہ مس فرحین کا استعفیٰ کیوں قبول کیا گیا جب کہ وہ بے قصور تھیں لیکن چند دنوں بعد جب یہ بات منظر عام پر آئی کہ انصاری صاحب نے فرحین کا استعفیٰ اس لئے قبول کیا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے خاندان کی ہونے والی بہو اب مزید ملازمت کرے ۔ انہوں نے اپنی بہن کے لڑکے کیلئے جو کہ انہی کی سرپرستی میں تھا فرحین کا انتخاب کرلیا تھا ۔

(اس کہانی نے راشٹریہ سہارا، نئی دہلی افسانہ نویسی
کے انعامی مقابلہ میں دوسرا انعام حاصل کیا)

"ہم نے یوں ہی نہیں چاہا تم کو"

ثمینہ دونوں بچوں ثمرین اور ایاز کو تیار کرکے اسکول کیلئے بھیج کر دم بھر کیلئے سستانے اپنے کمرے میں آکر بستر پر دراز ہوگئی تاکہ کچھ دیر آرام کرلے۔ آج اس نے پروگرام مرتب کیا تھا کہ الماری جوکہ کباڑیہ کی دکان کی طرح لگ رہی تھی سیٹ کرے گی۔ کپڑے اور دیگر اشیاء جوکہ بے ترتیب اور بکھری ہوئی تھیں انھیں سلیقہ سے الماری میں ترتیب دے گی۔ آج صبح ہی سے وہ مصروف ہوگئی تھی تاکہ کل رات بنائے ہوئے پروگرام کو عملی جامہ پہنا سکے صبح نماز فجر پڑھ کر اس نے قرآن کریم کی تلاوت کی یہ اس کے روزآنہ کا معمول تھا کہ نماز کے بعد وہ سورۃ یسین کی تلاوت بلا ناغہ کرتی اور صبح کی شروعات کرتی تاکہ برکتیں نازل ہوں تلاوت سے فراغت کے بعد اس نے باورچی خانہ کا رخ کیا ناشتہ اور بچوں کے لئے ٹفن تیار کیا پھر ثمرین اور ایاز کو نیند سے بیدار کرکے انھیں غسل کرایا اور اسکول یونیفارم پہنا کر تیار کرادیا بچوں کے ساتھ وہ خود بھی ناشتہ سے فارغ ہوگئی اور جیسے ہی اسکول بس کے آنے کا وقت ہوا وہ انھیں لے کر بس اسٹاپ پر آگئی دونوں بچوں کو الوداعی بوسہ دے کر انھیں بس میں سوار کیا اور گھر واپس آگئی۔ اتنا سب کچھ کرتے ہوئے وہ ہر روز ہی تھک جایا کرتی تھی اور کچھ دیر آرام کرنے پر پھر تازہ دم ہوجایا کرتی تھی یہی اسکا روزآنہ کا معمول تھا۔ وہ بہت دنوں سے یہ سوچ رہی تھی کہ الماری جوکہ بے ترتیب سامان سے لدی تھی اسے کچھ سلیقے سے سیٹ کرلے گی۔ تاکہ ضرورت کی اشیاء نکالنے میں سہولت ہو۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی چیز کی ضرورت آن پڑی تو الماری میں بکھری چیزوں کو الٹ پلٹ کرنے اور ضرورت کی چیز ڈھونڈ نکالنے میں غیر معمولی وقت ضائع ہوجاتا اور پھر جھنجھلاہٹ الگ طاری ہوکر موڈ آف کردیتی۔

ثمینہ تقریباً ایک گھنٹہ لیٹی رہی۔ آنکھیں موندے اپنے سارے بدن کو نرم گدے دار بستر پر پھیلائے ریلیکس (Relax) ہوتی رہی تو اسے یوں لگا جیسے اس کی ساری

توانائی لوٹ آئی ہے۔ پھر اس نے اُٹھ کر باورچی خانہ کا رخ کیا اور ایک کپ چائے بنائی اور آکر برآمدے میں پڑی آرام کرسی پر بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ چائے پینے کے بعد ایک طرح سے وہ تازہ دم ہو گئی اور اب وہ خود میں ہر کام کرنے کی توانائی و پھرتی محسوس کرنے لگی تھی۔ حسب پروگرام وہ اپنی خواب گاہ میں چلی آئی الماری کھول کر سارے کپڑے جو بے ترتیب تھے انہیں باہر نکالا کچھ پرانی کتابیں اور اس کی اپنی ڈائری جو کہ کئی سال پرانی تھی اور اس کے اپنے سرمایہ حیات کا درجہ رکھتی تھی سب کچھ باہر نکال ڈالا کچھ آرائش و زیبائش کا سامان۔ زیورات کا ڈبہ۔ میک اپ باکس اور الماری کی نچلی ریک میں کچھ پرانی اور کچھ نئی چپلیں رکھی تھیں ثمرین اور ایاز کے بے بی شوز ہر چیز نکال کر باہر رکھ دی اور ساری اشیاء کو جھاڑ پونچھ کر انھیں قرینے سے الماری میں جمانے لگی پہلے اپنے اور بچوں کے کپڑے تہہ کئے اور انھیں الماری کی اوپری ریک میں جگہ دی پھر زیورات کے ڈبے اور میک اپ باکس کو صاف کر کے انھیں لاکر میں رکھا اور دوسری ساری چیزوں کو صاف کر کے انھیں ترتیب وار الماری میں سجا ڈالا۔ پھر جب وہ مطمئین ہو گئی تو رسٹ واچ پر نظر ڈالی صرف آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا اور پروگرام کے مطابق اس نے الماری سیٹ کر ڈالی تھی۔ پھر قریب میں رکھی ہوئی پرانی کتب پر اس کی نگاہ پڑی تو اس نے انھیں بھی الماری کے ایک خالی حصے میں رکھا اور ان ہی کتب میں سے اپنی ڈائری لے کر بستر پر دراز ہو گئی اور ورق گردانی کرنے میں مصروف ہو گئی وہ ایک ایک صفحہ الٹتی جاتی اور مغموم ہوتی جاتی۔ اسی ڈائری کے اوراق میں اس کی ماضی کی داستان بکھری پڑی تھی۔ ایک ایک پل ایک ایک لمحہ کا ذکر ان اوراق میں بکھرا ہوا تھا۔ اس نے جیسے ہی ایک صفحہ الٹا اس کے سینے پر گلاب کا پھول جس کی ساری پنکھڑیاں سوکھ کر ڈائری کے اس صفحہ پر اپنا رنگ اور نشان چھوڑ گئی تھیں ۱۰ اگر دفعتاً پانچ برس کا وہ منظر اسکی نگاہوں میں اتر آیا۔

ثمینہ اگر خدا نہ کرے ہم دوبارہ نہ مل سکیں تو یہ گلاب کا پھول تمہیں میری محبت کی یاد دلائے گا خدارا اسے کبھی ضائع نہ کرنا میری محبت کا انمول تحفہ جانکر اسے

مضبوط رکھنا۔ کامران نے تازہ گلاب کا پھول اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔ اس وقت کامران کے ہونٹوں پر دلنواز مسکراہٹ رقص کناں تھی اور چہرے پر اپنی محبوب سے بچھڑنے کا غم، مضمحل اور افسردہ افسردہ سا کامران کا وہ چہرہ اسے آج تک یاد ہے۔

اس نے کامران کو دلاسا دیتے ہوئے کہا تھا کامران تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ، اس طرح مایوسی کی باتیں تو نہ کیجئے، میرا دل بیٹھا جارہا ہے، خدا کی ذات سے مایوس ہونا کفر ہے، اس رب عالی کی ذات سے بے شمار امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ اللہ پر یقین رکھیں انشاء اللہ ہم ضرور یکجا ہوں گے۔ آپ اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے وطن و ملک چھوڑ کر جارہے ہیں۔ اس کا مطلب تو نہیں کہ خدا نہ کرے کبھی واپس ہی نہ ہوں گے آپ اس طرح کم ہمتی کی باتیں کریں گے تو میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔!"

ارے پگلی۔ میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ ہم سدا کے لئے بچھڑ رہے ہیں، میں نے تو بس از راہ مذاق یہ کہہ دیا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں کتنی بہادری ہے تم بے فکر ہو کر رہا کرو میں انشاء اللہ دو سال بعد آؤں گا تو پھر ماموں جان سے تمہارا ہاتھ طلب کروں گا۔

تب وہ کیسے انکار کرسکیں گے، کامران نے یقین کامل سے کہا، اس کے لہجے کی پختگی بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرانے کی ہمت کا پتہ دے رہی تھی۔ "اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو میں اللہ رب العزت سے ہمیشہ یہی دعا کرتی رہوں گی کہ تمہارے ہر ارادے میں وہ تمہیں کامیابی سے ہمکنار کرے۔ آمین"۔ ثمینہ نے اپنے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھا کر جب کہا تو کامران نے جذباتی ہو کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے انھیں اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر اپنی مہر محبت ان نازک نازک خوبصورت حنائی ہاتھوں پر ثبت کرتے ہوئے کہا"۔ ثمینہ دیکھنا تم میری ہوگی۔ تم میری پہلی چاہت و پہلی آرزو ہو۔ میں امی جان سے کہہ جاؤں گا کہ وہ تمہیں ماموں جان سے میرے لئے مانگ رکھیں۔ اچھا میں اب چلتا ہوں پھر وہ اسکی نگاہوں سے دور ہوتا گیا، یہی اسکی کامران سے آخری ملاقات تھی۔

وہ بستر سے اٹھی اور بڑی احتیاط سے گلاب کے اس سوکھے پھول کو عقیدت

سے اپنی آنکھوں سے لگایا اور ڈائری کے اسی صفحہ میں رکھ کر ڈائری بند کر دی اور تکیہ کے نیچے رکھ دیا۔اس کی حالت اب کچھ بگڑی جارہی تھی۔اس کے دل کا درد آنکھوں کی راہ سے بہنے لگا تھا۔یادوں کا ایک طوفان سا اچانک ہی امڈ پڑا تھا۔ماضی کا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ یادوں کے نشتر لئے اس کے دل کو زخمی کرنے لگا تھا ماضی کی یادیں کرچی کرچی اس کے جسم میں پیوست ہو کر اسے کرب میں بتلا کرنے لگی تھیں۔دل تھا کہ بے قرار ہوا جارہا تھا۔اور آنکھوں سے سیل رواں بہنے لگا تھا۔اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور خود سے مخاطب ہوئی۔آہ کامران یہ سب کچھ کیا ہو گیا۔کہ کیا سوچ کر گئے تھے تم مجھ نازک بدن،نازک دل اور کم ہمت لڑکی کو اس بے درد جہاں میں تنہا چھوڑ کر یوں چلے گئے کہ پھر لوٹ کر ہی نہ آئے۔تم نے پلٹ کر کبھی یہ نہ پوچھا کہ تمہاری ثمینہ زندہ بھی ہے اگر وہ زندہ ہے تو کس حال میں جی رہی ہے۔اتنے پتھر دل تو نہ تھے تم تم جو روٹھے تو سارا زمانہ ہی روٹھ گیا تم جو بچھڑے تو میرا اپنا کوئی سہارہ نہ رہ گیا سب اجنبی ہو گئے سب بیگانے ہو گئے میں نے لاکھ چاہا کہ اپنا دل چیر کر بتادوں کہ اس دل میں کون بستا ہے۔اس کے نہاں خانوں میں کس کا نام ہے لیکن کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی نہ ممی نے اور نہ پاپا نے۔انھیں تو اپنا حق چاہیئے تھا کیوں کہ انھوں نے مجھے جنم دیا تھا ممی نے نو مہینے اپنی کوکھ میں میرا بوجھ برداشت کیا تھا اور تخلیق کے درد سے گزری تھیں اور جب میں پیدا ہوئی تو پاپا نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے مجھے پالا پوسا، پروان چڑھایا،پڑھایا لکھایا تو ظاہر ہے انھیں اس احسان کا بدلہ چاہیئے تھا تو اپنی اولاد سے۔سو انھوں نے اپنی من پسند کی،میرے من میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش بھی نہ کی اس من مندر میں میں نے کسے اپنا دیوتا مانا ہے۔میں کس کے نام کی مالا جپتی ہوں۔میرا دل کس کے نام پر دھڑکتا ہے۔تو کامران مجھے اپنوں ہی نے تم سے چھینا ہے جدا کیا ہے میں صنف نازک کیا کر سکتی تھی۔ایک مشرقی لڑکی بھلا کیسے اپنے والدین کی مرضی اور چاہتوں سے بغاوت کر سکتی ہے۔میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔خود کو منجدھار

کے حوالے کردیا، میں نے سوچا کامران کہ محبت کبھی کبھی قربانی بھی طلب کرتی ہے تو میں نے ماں باپ کی محبتوں کے آگے اپنی محبت قربان کردی اور وہی کیا جو وہ چاہتے تھے اور آج میں تم سے بچھڑ گئی تم سے جدا ہوئے پانچ برس بیت گئے اور ان پانچ برسوں میں کتنے طوفان آئے اور گزر گئے ۔ نہ تم آئے اور نہ ہی تمہارا کوئی پتہ چلا کہ تم کہاں ہو میری زندگی تنکے کی مانند ہواؤں کے روش پر بکھرتی چلی گئی ، اس کی آنکھیں ساون بھادوں برسانے لگیں اور ذہن کا پنچھی ماضی کے افق پر اپنے پر پھیلائے دور بہت دور پرواز کرنے لگا۔ کامران اس کا پھوپی زاد بچپن ہی سے ان دونوں نے ساتھ کھیلا تھا اور جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھے تو بچپن کے معصوم و بے نام جذبے محبت کا مفہوم جان گئے تھے ، دونوں کے دل ایک دوسرے کے نام پر دھڑکنا سیکھ گئے تھے ، دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی چاہت پنپنے لگی تھی ، اور انہوں نے جان لیا تھا کہ محبت کسے کہتے ہیں ۔ کن جذبوں کا نام محبت ہے لیکن شاید قسمت ان پر نامہربان تھی کیوں کہ کامران کے ابو ایک معمولی سرکاری ملازم تھے اور ثمینہ ایک بہت بڑے بزنس مین کی اکلوتی بیٹی تھی ، ثمینہ کے پاپا فدا حسین کا شہر میں بہت وسیع کاروبار تھا ، ایسا نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی دولت کے پجاری تھے ، انھیں اپنی بہن عائشہ خانم سے بھی دلی لگاؤ اور محبت تھی اور اپنے بھانجے کامران سے بھی وہ ان کا ہر لحاظ سے خیال کرتے تھے ضرورت پڑنے پر ان کی مالی مدد سے بھی گریز نہ کرتے لیکن کامران کے ابو طاہر حسین ایک نہایت خوددار اور اصول پسند انسان تھے اور انہوں نے کبھی بھی اپنی انا اور خودداری کا سودا کرنا منظور نہ کیا تھا ، اپنی آمدنی کے حساب سے اپنی چادر پھیلانے میں یقین رکھتے تھے ، عائشہ خانم بھی ایک بہت ہی کفایت شعار و فاشعار بیوی تھیں ۔ انھیں اپنے شوہر کے مزاج وفطرت کا بخوبی اندازہ تھا سو انہوں نے کبھی یہ نہ چاہا کہ اپنے دولت مند بھائی کے آگے اپنا دست سوال دراز کریں اپنی آمدنی کے حساب سے اپنے اخراجات کا تعین کرتیں اور اپنے شوہر کی مرضی کے آگے خود کو ڈھال لیتیں ۔

چنانچہ ان کی ازدواجی زندگی پر سکون اور قابل رشک تھی۔ اللہ نے انھیں دو اولادیں عطا کی تھیں، کامران بڑا تھا اور ملیحہ چھوٹی۔

کامران نے جب انجینیرنگ کا کورس مکمل کرلیا تو خلیجی ممالک جانے کی ٹھان لی۔ اور دن رات کوشش میں لگا رہا۔ اوورسیز ایمپلائمنٹ کا کوئی اشتہار ایسا نہ ہوتا جس کی کٹنگ اس کی ڈائری میں نہ ہوتی پھر ہر ماہ وہ مختلف فرموں میں درخواستیں روانہ کرتا اور انٹرویو دیا کرتا۔ بالاخر ایک کمپنی نے اسے منتخب کرہی لیا۔ پھر وہ جانے کی تیاری میں جٹ گیا دیکھتے ہی دیکھتے اس کا ویزا آگیا اور ٹکٹ بھی اوکے ہوکر آگیا۔ کوئی تین دن بعد اسے ہندوستان چھوڑنا تھا۔ ایک طرف تو ریاض میں ملازمت ملنے کی خوشی تھی اور دوسری جانب والدین بہن اور عزیزواقارب سے بچھڑنے کا احساس الگ تھا، ثمینہ سے بچھڑنے کا غم بھی تھا۔ نجانے واپسی کب ہوگی اور مستقبل کے حالات پتہ نہیں اس کے اپنے لئے بہتر ہونگے یا پھر اس کے مخالف۔ وسوسوں کے ہزاروں ناگ پھن پھیلائے اُسے ڈسنے کو تیار تھے، اپنے باہر جانے کے پروگرام سے مطلع کرنے کے لئے اور اپنے ماموں مومانی سے ملنے کے لئے جب وہ ان کے عالیشان کوٹھی نما بنگلے میں داخل ہوا تو اس کے ماموں فدا حسین کہیں جانے کیلئے جیسے تیار کھڑے تھے، جیسے ہی کامران اندر داخل ہوا ان کی نظر ان پر پڑی تو اس نے انھیں بڑے ہی ادب سے سلام کیا جواب میں انھوں نے اسے دعائیں دیں پھر اپنی بیگم اور بیٹی کو آواز دینے لگے " سلمیٰ "، ثمینہ دیکھو بھئی کامران میاں آئے ہیں" فدا حسین صاحب کی آواز پر وہ دونوں ڈائننگ روم میں چلی آئیں، کامران نے ممانی کو سلام کیا انھوں نے بھی جواب میں اسے دعاؤں سے نواز پھر پوچھنے لگیں آپا بیگم طاہر بھائی اور ملیحہ وغیرہ کیسے ہیں؟

اللہ کا فضل ہے امی جان اور ابو دونوں ہی بخیریت ہیں، البتہ ملیحہ کو چند دنوں سے بخار کا سلسلہ چل رہا ہے دراصل میں آپ لوگوں کو مطلع کرنے آیا تھا کہ پرسوں شام میری فلائٹ ہے میں ریاض جارہا ہوں، وہاں کی ایک تعمیراتی کمپنی میں بحیثیت

سول انجینئر میرا انتخاب ہوچکا ہے ، اور پرسوں شام یہاں حیدر آباد سے مجھے نکلنا ہے ۔ کامران نے اپنے ملنے آنے کی غرض وغایت سے فدا حسین صاحب اور ان کی بیگم کو آگاہ کیا ۔

"بہت مبارک ہو کامران بیٹے ،ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ تمہیں ریاض میں ایک معقول ملازمت مل گئی ہے ۔ فدا حسین صاحب نے کہا اور آگے بڑھ کر کامران سے بغلگیر ہوئے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہنے لگے " طاہر بھائی کو تم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں ۔ اللہ کرے کہ ان کے سارے خواب ساری آرزویں وتمنائیں تمہاری وساطت سے پوری ہوں یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ تمہیں ایک اچھے پوسٹ پر منتخب کیا گیا ہے ۔ میری جانب سے عائشہ خانم اور اپنے ابو سے بہت بہت مبارکباد کہنا ، پرسوں شام اگر کوئی خاص مصروفیت نہ رہی تو ملنے ضرور آؤں گا ورنہ سلمی اور ثمینہ تو آئیں گے ہی ۔ پھر انھوں نے ہاتھ کی گھڑی پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا " کامران بیٹے مجھے ایک ضروری میٹنگ میں شریک ہونا ہے اب میں چلونگا خدا حافظ ، یہ کہہ کر وہ اپنا بریف کیس تھامے باہر نکل آئے ۔

ثمینہ تم بیٹھو اور کامران سے باتیں کرو میں ابھی ملازم سے چائے وغیرہ بھجواتی ہوں ،، سلمی بیگم بھی اندر چلی گئیں تو کامران اور ثمینہ دونوں تنہا رہ گئے کامران دو دن بعد چلا جائے گا ، یہ سوچ کر ثمینہ کے جیسے سارے حواس گم ہوگئے تھے اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ کامران اتنا جلد اس سے جدا ہوجائیگا ۔ وہ دونوں علحیدہ مکانوں میں رہتے ضرور تھے ،لیکن ان دونوں کے کالج تقریبا ایک ہی مقام پر تھے اور ہر روز نہ سہی دو تین دن کے وقفے سے انکی ملاقاتیں ضرور ہوجایا کرتی تھیں ،لیکن چند دنوں سے کامران اپنی کوششوں میں مصروف تھا تو جیسے ثمینہ کو یکسر بھول بیٹھا تھا اور جب اپنے مقصد میں اسے کامیابی ملی تو اس نے اولین فرصت میں ثمینہ ہی کو یہ خوشخبری بھی دی کہ اس کا انتخاب ہوچکا ہے اور ریاض کی ایک کنسٹرکشن کمپنی نے اسے بحیثیت سول انجینئر

ملازمت دی ہے ۔اب بس ویزا اور ٹکٹ کا انتظار ہے ۔لیکن ثمینہ یہ سوچ کر خاموش رہی تھی کہ اکثراوقات ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کی کاروائیوں میں چار چھ مہینے تو یوں ہی لگ جاتے ہیں ،اسی خیال کے زیر اثر وہ مطمئین تھی ۔اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ کامران اتنا جلد اس سے جدا ہوجائیگا ۔اس سے جدائی کا تصور ہی اس کے لئے سوہان روح تھا اور جب کہ وہ اس کے سامنے موجود تھا اور کہہ رہا تھا کہ دو دن بعد وہ اس سے جدا ہونے والا ہے تو گویا کسی نے اس کی ساری طاقت سلب کرلی ہو ،وہ ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی طاقت وسکت خود میں محسوس نہ کر رہی تھی اور ایک ٹک کامران کو یوں تکے جارہی تھی جیسے اس کی نگاہیں پتھرا گئی ہوں ۔اس کی غیر ہوتی ہوئی حالت کو دیکھ کر کامران پریشان ہوگیا ،آگے بڑھا اور اسے تھامتے ہوئے صوفہ پر بٹھادیا اور پوچھا " ثمینہ تم ٹھیک تو ہو "

"ایک روح فرسا خبر سنا کر اور میری جان نکال کر پوچھ رہے ہو کہ میں ٹھیک تو ہوں ۔ کامران یہ اتنی جلد کیسے ہوگیا ۔میں تو اس لئے مطمئن تھی کہ چلو ابھی کچھ مہینے تم یہیں رہوگے ۔! ثمینہ نے مری ہوئی آواز میں کہا ،یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز کہیں دور سے آرہی ہو ۔

مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہوگیا لیکن خوش بھی ہوں کہ میری کاوشوں کا ثمر مجھے ملا اور تمہاری دعائیں بھی بارآور ہوئیں ۔اور پھر جتنی جلدی میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوجاونگا اور کچھ قابل بن جاوں گا تو یہ ہمت کرسکوں گا کہ تمہیں اپنے لئے مانگ سکوں !

ہاں ٹھیک ہے لیکن میں کہیں بھاگی تو نہیں جارہی ہوں ۔ابھی مجھے گریجویشن مکمل کرنے میں یوں بھی ایک سال باقی ہے ،تب تک تو تم بھی کچھ بن جاؤ گے پھر دیکھنا کہ ممی پاپا کیسے انکار کرتے ہیں ۔! اس نے ٹھوس لہجے میں کہا تو کامران مطمئین ہوگیا ، ملازم چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی لے آیا تھا چائے پی کر ثمینہ کو دو دن بعد اسے وداع کرنے آنیکی تاکید کرکے وہ چلا گیا ۔

دو دن پلک جھپکتے ہی جیسے بیت گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پل وہ لمحے آن کھڑے ہوئے جب کامران سب سے جدا ہو کر جانے والا تھا۔ سلمیٰ بیگم اور ثمینہ دونوں صبح ہی سے طاہر صاحب کے گھر پہنچ گئے تھے تاکہ عائشہ خانم کی دل جمعی کی جاسکے۔ کامران اپنا بیگیج پہلے ہی سے تیار کر چکا تھا، پھر ملنے آنے والوں کا جیسے تانتا سا بندھ گیا تھا۔ اس کے اپنے دوستوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا، قریبی دوست جن کے گھروں میں وہ بحیثیت ایک فرد کے جایا کرتا تھا انکی مائیں اور بہنیں بھی اسے وداع کرنے آئی ہوئی تھیں۔ پھر اس کے ابو طاہر حسین صاحب کے ملنے والوں نے بھی جیسے قطار باندھ رکھی تھی کامران کو گھر سے سات بجے ہی نکلنا تھا، کامران موقع کی تاک میں تھا کہ ثمینہ سے تنہائی میں کچھ دیر بات کرلے لیکن ایسی کوئی صورت نظر نہ آرہی تھی مجبوراً اسے اپنی چھوٹی بہن ملیحہ سے کہنا پڑا۔ دیکھو ملیحہ کسی طرح ثمینہ کو بلالاؤ میں اس سے علحیدگی میں کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔!"

ایسی کیا خاص بات ہے بھائی جان جو آپ ہم سب کے سامنے نہیں کہہ سکتے۔ ! ملیحہ نے معنی خیز مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجا کر اور بہنوں والی اکڑ کے ساتھ کہا تو کامران نے اسکی دراز چوٹی تھام لی اور ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر کہا "زیادہ نخرے نہ دکھاؤ ورنہ تم اپنی یہ گز بھر لانبی چوٹی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی!"

اچھا بابا بلالاتی ہوں آپ کی ملکہ عالیہ کو پہلے میری چوٹی تو چھوڑیں! ملیحہ نے بلکتے ہوئے کہا اور ثمینہ کو بلانے چلی گئی، چند لمحوں بعد ثمینہ اسکے سامنے موجود تھی کامران نے بغیر وقت ضائع کئے اپنی جیب سے گلاب کا ایک تازہ پھول نکالا اور ثمینہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہنے لگا! دیکھو جان یہ پھول میں تمہیں اپنی محبت کی یادگار کے طور پر پیش کر رہا ہوں، خدارا اسے کبھی ضائع نہ کرنا، بڑی احتیاط سے سنبھالے رکھنا، جب بھی تم یہ پھول دیکھو گی یہ تمہیں میری یاد دلائے گا۔ میری چاہت، میری محبت کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہو جائیگی۔! اتنا کہتے ہوئے اس کے لب کانپ اٹھے ثمینہ کیلئے

اس کی چاہت اس کی محبت ، اسکی تمنا کامران سے جدا ہونے کا تصور ہی اس کیلئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا کامران کہہ رہا تھا ، اگر ہم خدا نخواستہ نہ مل سکیں ، ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ پھول ہماری محبت کی یادگار بن جائیگا ! " کامران خدارا ایسا نہ کہیئے آپ سے جدا ہو کر آپ سے بچھڑ کر میں زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی ۔ میں آپکا انتظار قیامت تک کر سکتی ہوں ہو سکے تو جلد لوٹ آنا ۔ اس سے قبل کہ زمانہ مجھ کو آپ سے چھین لے ! ثمینہ نے اسکے پیار کے تحفہ کو پہلے اپنے ہونٹوں سے چوما اور اپنی آنکھوں سے لگا کر دل کے قریب محفوظ کر لیا ۔ پھر خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلی آئی ، کامران اسی رات ریاض کیلئے پرواز کر گیا ۔

وقت کا پنچھی پر پھیلائے پرواز کرتا رہا ۔ کامران کو گئے ایک سال ہو گیا تھا ، اس درمیان اس کی بہن ملیحہ کی شادی ہو چکی تھی چھٹی نہ ملنے کے باعث وہ اپنی عزیز ترین بہن کی شادی میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا ادھر ثمینہ نے سائنس میں گریجویشن مکمل کر لیا تھا اور گھر بیٹھ گئی تھی ، اس کے پاپا فدا حسین کے دوستونکا حلقہ بہت وسیع تھا ، اس کے پاپا کے دوستوں کے لڑکوں کے رشتے اس کیلئے آنے شروع ہو گئے تھے ، فدا حسین صاحب ہر رشتہ کی جانچ پڑتال خود ہی کرتے گھر میں کسی کو کچھ خبر نہ تھی ، نہ ہی سلمی بیگم کو کچھ پتہ تھا اور نہ ہی اس قسم کی بازگشت کی صدا ثمینہ کے کانوں تک پہنچتی ، فدا حسین ہر بات بہت پوشیدہ رکھتے ، اپنی بیگم تک کو معلوم نہ ہونے دیتے ، انکا اپنا نظریہ یہ تھا کہ جب کوئی معقول رشتہ آئے جس سے وہ خود مطمئن ہوں گے تب ہی وہ اس کی تشہیر کرینگے چنانچہ بڑی چھان بین کے بعد انہیں اپنے ایک دوست کے بھانجے کا رشتہ پسند آگیا ۔ لڑکا ڈاکٹر تھا اور ہینڈسم بھی تھا ۔ خاندانی پس منظر سے بھی وہ مطمئن ہو گئے تھے ۔ پھر انھوں نے ساری باتیں خود ہی طے کر لیں تب کہیں اپنی رفیق حیات سلمی بیگم کو اس کی بابت تفصیلات سے آگاہ کیا ، اور کہا کہ ثمینہ سے بھی اس رشتہ کی بات کہہ دیں ، یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا یا پھر ثمینہ اور کامران کی بد قسمتی کہ جس دن فدا حسین اپنے

دوست کے بھانجے سے ثمینہ کے رشتہ کی بات پکی کر آئے تھے اسی شام انکی بہن عائشہ خانم اور بہنوئی طاہر صاحب انکے گھر تشریف لائے اور ثمینہ کا ہاتھ کامران کیلئے مانگا فدا حسین صاحب تذبذب میں پڑ گئے بالاخر انھوں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے بڑے ہی نرم لہجے میں ساری تفصیلات اپنی بہن سے کہہ دیں اور معذرت خواہ لہجے میں کہا دیکھو عائشہ تم نے تھوڑی دیر کر دی میں ثمینہ کے رشتہ کی بات پکی کر چکا ہوں اور اب میں اپنے وعدہ سے مکر نہیں سکتا۔ اس سلسلے میں مجھے معاف کر دیں تو میں تمہارا ممنون رہوں گا!

بھائی کی زبان سے انکار سن کر بہن نے دکھی دل اور نمناک آنکھوں سے بھائی کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کیا اب کچھ نہیں ہوسکتا؟ پھر ناکام اپنے گھر لوٹ گئیں ،چونکہ سلمیٰ بیگم بھی اپنوں میں ثمینہ کا رشتہ کرنے کے حق میں نہیں تھیں اس لئے اس لئے خاموش ہو رہیں۔ اس طرح ثمینہ کی تقدیر کسی دوسرے کے ہاتھوں میں سونپ دی گئی، وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی اور خاموشی سے زہر جدائی پی گئی ماں باپ کی خواہش کے احترام میں اپنی محبت اپنی تمناؤ آرزوؤں کی قربانی دے کر وہ چپ چاپ ایک اجنبی کی ہمسفر بن گئی اور بابل کا گھر چھوڑے سسرال چلی گئی۔

ڈاکٹر شاہد کا شمار اپنے فن کے ماہرین میں ہوتا تھا، وہ انتہائی ہمدرد اور نیک سیرت انسان تھے غریبوں کے ہمدرد اور مسیحا ثمینہ کا ہر طرح سے خیال رکھتے، انھوں نے اسے بھرپور محبت دی تھی ثمینہ کامران کو بھلا کر شاہد کیلئے ایک مکمل شریک حیات کا رول ادا کرنے لگی ان کی ہر خواہش کا احترام کرتی اور یہ کوشش کرتی کہ انھیں اس سے کسی قسم کی شکایت نہ رہے، ان کا ہر کام وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی شاہد بھی اپنی قسمت پر نازاں رہتے کہ ایک خوبصورت اور خوب سیرت شریک حیات اللہ نے انہیں عطا کی تھی ،بزرگان دین کا قول واقعی کتنا سچ تھا کہ نیک بیوی دنیا میں مرد کے لئے جنت سے کم نہیں ڈاکٹر شاہد کو یہ قول جب یاد آتا تو وہ سوچتے کہ واقعی ثمینہ کے روپ میں انھوں نے دنیا ہی میں جنت پالی ہے، بہت ہی مختصر کنبہ تھا ان کا ماں باپ

چھوٹی شادی شدہ بہن شاکرہ اور وہ خود تین افراد پر مشتمل تھا ان کا خاندان ان کے والد گزر چکے تھے ثمینہ بہت ہی پرسکون اور پر رشک زندگی گزار رہی تھی ۔ اللہ کے فضل وکرم سے ہر طرح کا آرام و آسائش میسر تھا ۔ رہنے کے لئے خوشنما مکان ۔ آمد و رفت کے لئے کار اور ڈاکٹر شاہد کا اپنا ذاتی نرسنگ ہوم بھی تھا جہاں مریضوں کا تانتا سا بندھا رہتا تھا ۔ ثمینہ مطمئن زندگی گزار رہی تھی ۔ شادی کے تین برسوں میں ہی اللہ نے اس کے چمن زندگی میں دو پھول کھلائے پہلا پھول ثمرین کی شکل میں کھلا اور دوسرا ایاز کی شکل میں وہ جب تخلیق کے درد سے گزری تو خود کو ایک مکمل عورت سمجھنے لگی ۔ ثمرین کی پیدائش سے اس کی زندگی میں گویا جیسے بہار آگئی تھی وہ باپ کی لاڈلی تھی تو دادی اور پھوپی کی چہیتی بھی وہ اس پر اپنی جان نچھاور کرتیں ۔ پھر دو سال بعد اللہ نے ایاز کے روپ میں اسے ایک بیٹے کی ماں بھی بنا دیا تو خدا کے اس انعام پر وہ سجدہ شکر بجا لائی ۔!

یہ نظام قدرت بھی عجیب ہے ۔ جس طرح پر سکون اور فرحت بخش چھاؤں کے بعد چلچلاتی دھوپ نکلتی ہے اور بہاروں کے بعد موسم خزاں آجاتا ہے اسی طرح ثمینہ کی زندگی بھی اچانک ہی بہاروں کے بعد خزاؤں کے حوالے ہوگئی ۔ اس کی کشتی حیات اچانک ہی منجدھار میں آپھنسی ۔ ڈاکٹر شاہد جو کہ سینکڑوں مریضوں کے مسیحا ثابت ہوئے تھے اچانک ہی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے گھر سے اسپتال جانے کیلئے نکلے تھے لیکن راستے ہی میں ان کی کار کو ایک ٹرک نے روند ڈالا اور وہ مقام حادثہ پر ہی جاں بحق ہوگئے ۔ اس اندوہناک اور دلدوز خبر کو جس نے بھی سنا کف افسوس مل کر رہ گیا شاہد کی والدہ جو کہ ایک ضعیف اور عمر رسیدہ خاتون تھیں اور دل کے عارضہ میں بتلا تھیں اپنے لخت جگر کی اس بے وقت موت کی خبر سن کر تاب نہ لاسکیں انکا کمزور دل دھڑکن کھو بیٹھا ۔ ایک وقت میں دو دو جنازے جب ایک ہی گھر سے نکلے تو جس کسی نے دیکھا اس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ۔ اچانک ہی ثمینہ اور اس کی نند شاکرہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ۔ ثمینہ کے لئے دوہرا غم تھا ۔ ایک تو چاہنے والا شوہر ساتھ چھوڑ بیٹھا تھا تو

دوسری طرف ماں جیسی شفیق اور چاہنے والی ہستی ساس کے سایۂ شفقت سے بھی وہ محروم ہوگئی تھی۔ اب وہ دشت تنہائی میں بھٹک رہی تھی، بیوگی کا بے داغ لباس اسکا مقدر بن گیا تھا، اس کی خوبصورت نازک نازک کلائیاں رنگین اور خوشنما چوڑیوں کی کھنک سے بے بہرہ اور سونی ہوگئی تھیں، دو معصوم بچے ہی اب اسکا واحد سہارا تھے یوں تو اس کے والدین کا سایہ اس پر قائم تھا لیکن چونکہ شوہر کی بے شمار یادوں کا سرمایہ اس کے پاس تھا اس لئے اس نے اسی گھر کی چھت کے سایہ تلے رہنا گوارہ کرلیا تھا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وقت بڑے سے بڑے زخم کا مرہم ہوتا ہے، جیسے جیسے وقت کی سوئی آگے بڑھتی گئی ثمینہ کے زخم مندمل تو کیا ہوتے ان کی ٹیسیں کچھ کم ضرور ہونے لگیں، ماں باپ نے جب دلاسا دیا تو وہ کچھ سنبھل گئی، ڈاکٹر شاہد کے نرسنگ ہوم کو دوسرے ڈاکٹروں نے سنبھال لیا تھا اور ایک معقول رقم وہ ثمینہ کو ادا کرنے لگے تھے۔ وہ سب کچھ بھلا کر اپنے بچوں میں گم ہوکر اپنے سارے غم بھولنے کی سعیٔ کرنے لگی اور ایک حد تک اسے کامیابی بھی ملی۔ اب اسکا روزانہ کا یہی معمول تھا۔ آج جب اچانک ہی اس کی پرانی ڈائری کے پنے اس کے سامنے بکھرنے لگے اور اپنی پہلی محبت کا یادگار تحفہ گلاب کا پھول جو کہ اب سوکھ کر کاغذ کی شکل اختیار کر گیا تھا اس کے سامنے آگرا تو ماضی کا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ اسکی نگاہوں کے سامنے لہراتا چلا گیا۔ اور اسکے دل کے سارے زخم اچانک ہی ہرے ہوکر رسنے لگے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی سی لگ گئی۔ ماضی سے جب وہ حال میں لوٹی تو گھڑی کی سوئیوں نے کافی وقت گزرنے کا اسے پتہ دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں اور باتھ روم جاکر چہرے پر پانی کی چھینٹیں ماریں اور باورچی خانے میں جاکر بچوں کیلئے دوپہر کے کھانے کے انتظام میں جٹ گئی۔ وہ کچن میں پہنچ کر ابھی دو ایک چیزیں ہی تیار کر پائی تھی کہ کال بیل کی موسیقی ریز آواز فضا میں تحلیل ہوتی گئی، ثمینہ نیپکن تھامے ہاتھ صاف کرتی ہوئی دروازے تک جا پہنچی، اسنے جب دروازہ کھولا تو غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہوگئی۔ وہ

مبہوت سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی کیونکہ اس نے جو کچھ دیکھا ایک خواب سے کم نہ تھا ۔ برسوں بعد جب کوئی اچانک ہی سامنے آجائے تو یقیناً غیر یقینی کیفیت سے ہر کوئی دو چار ہو ہی جاتا ہے ۔ ثمینہ بھی پریشان ہوگئی کہ یہ اچانک ہی ایک طویل مدت بعد کامران اسکے روبرو کیسے وارد ہوگئے ۔ کامران نے جو دیکھا کہ ثمینہ بالکل اپنے ہوش کھو بیٹھی ہے تو انہوں نے دھیرے سے آواز دی ثمینہ کیا مجھے اندر آنے کیلئے بھی نہیں کہو گی ۔

ان کی آواز پر وہ چونک پڑی اور شرمندہ سی ایک طرف ہٹتے ہوئے کہنے لگی ، آئیے کامران اندر تشریف لے چلئے ۔ ! اور اس نے برآمدے تک ان کی رہنمائی کی ، دالان میں ایک جانب صوفہ سیٹ رکھا تھا ، اس نے کامران کو بٹھایا اور خود ان کے روبرو بیٹھ گئی ۔ کامران مجھے اب بھی یقین نہیں ہورہا کہ آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں یہ برسوں لاپتہ رہ کر اب ہم سب کی یاد کیسے آگئی آپ کہاں کھو گئے تھے آپ یکسر ہی بھلا بیٹھے ہم سب کو ! ثمینہ نے شکایت بھرے لہجے میں کہا ۔

ہاں ثمینہ یوں سمجھو کہ میں کہیں گم ہوگیا تھا ، مجھے جب خبر ملی کہ تمہاری شادی ڈاکٹر شاہد سے ہوگئی ہے تو مجھے یوں لگا جیسے اس ساری کائنات میں اب میرے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا ۔ تم سے جدائی کا جو زخم میرے دل پر لگا تو جیسے ساری کائنات مجھے بے وقعت سی معلوم ہونے لگی ۔ جس جسم سے روح نکالی جاچکی ہو وہ جسم بھلا زندہ کیسے کہلائے گا ۔ ایک لاشہ تو کہیں گے اسے میری حالت بھی بس اس جسم جیسی تھی جس سے روح نکالی جاچکی ہو ۔ تمہارے بغیر میرے لئے زندگی کا کوئی مفہوم ہی نہ تھا ، جب میری چاہت ہی مجھ سے چھن گئی تو اب اس کائنات میں میرے لئے کیا باقی رہ گیا تھا میں نے سارے رشتے بھلا ڈالے سارے رشتوں سے میرا یقین اٹھ چکا تھا ۔ چنانچہ میں نے خود کو کمپنی کے کاموں میں گم کر ڈالا ۔ تاکہ کوئی یاد باقی نہ رہے ۔ اسی طرح پانچ برس بیت گئے میں اب بھی نہ آتا لیکن جب ملیحہ نے مجھے یہ روح فرسا اور دلدوز خبر لکھ بھیجی کہ تمہارے شوہر ڈاکٹر شاہد کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوگئے تو یقین جانو ثمینہ وہ رات

مجھ پر بہت بھاری گزری ۔ ساری رات رہ رہ کر تمہارا غم گین اور اجڑا اجڑا سا چہرہ میری نگاہوں میں گھومنے لگتا اور میں تڑپ جاتا ۔قدرت بھی نہ جانے کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے ہمارے ساتھ پھر کسی کام میں میرا دل نہ لگا ۔میں چھٹی حاصل کر کے چلا آیا ۔ایک مقصد ایک آرزو ایک تمنا لئے کہ تمہاری اجڑی ہوئی زندگی پھر سے آباد کردوں ۔تمہاری روٹھی ہوئی بہاریں پھر سے لوٹادوں تمہارے خزاں رسیدہ چمن زندگی میں پھر سے بہار لے آؤں !"

نہیں کامران نہیں یہ سب کچھ اب ممکن نہیں ثمینہ تقریباً چیخ پڑی ۔اس کی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کا آبشار سا بہنے لگا ۔اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "کامران میں اتنی خود غرض نہیں ! آپ کوئی اچھی سی خوبصورت سی لڑکی کو دلہن بنالیجیے میں اپنی زندگی سنوارنے کیلئے آپ کی زندگی داؤ پر لگادوں نہیں یہ نہیں ہوسکتا ۔لوگ کیا کہیں گے ،سماج کیا کہے گا ۔آپ کو شاید پتہ نہیں شاہد نے اپنی دو نشانیاں چھوڑی ہیں ۔ان ہی کے سہارے میں بقیہ زندگی کاٹ لوں گی ۔آپ کیوں اپنی زندگی کو گھن لگانا چاہتے ہیں ؟ "ثمینہ نے خلوص کے جذبے کے زیر اثر کہا ۔ثمینہ کیا تم نے میری محبت کو اتنا کم تر جانا ہے کیا تمہارے بچے میرے بچے نہیں ہوسکتے ۔کیا تم انہیں باپ کے پیار اور شفقت سے محروم کرنا چاہتی ہو نہیں میں ایسا نہیں ہونے دونگا ۔اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں اپنے آپ کو ختم کرلوں گا کہ یہ زندگی جب تمہارے کام نہ آسکی تو بھلا میرے کس کام کی کہو ثمینہ کیا چاہتی ہو ۔تم اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو اور ہاں کہدو ۔میں آج شام کو ہی ماموں جان سے بات کرلوں گا ۔ورنہ پھر تم کل میرے جنازے میں شریک ہوگی ! کامران اپنی زندگی قربان کرنے پر تل گیا تھا ۔اس کے لہجے میں چھپے ہوئے عزم کو دیکھ کر ثمینہ لرز گئی اور سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوبنے لگی ۔ مدتوں قبل اسکی محبت کی چنگاری کو اس نے ڈھیروں راکھ تلے دبائے رکھنے کی سعی کی تھی وہ آج ابھر کر آنے لگی تھی ۔کامران کی ضد کے آگے اس نے خود کو بے بس و مجبور

محسوس کیا، اسے اسکی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کیلیئے جھکنا پڑا پھر اس نے دھیرے سے کہا " کامران اگر تم یہی چاہتے ہو تو تمھاری مرضی، کیوں کہ میں تمہیں ایک بار کھو کر اتنا پچھتائی ہوں کہ اب دوبارہ کھونے کی مجھ میں نہ ہمت ہے اور نہ حوصلہ۔ اور اگر اللہ کی یہی مرضی ہے تو میری بھی یہی ! "اس نے کہہ تو دیا لیکن وہ کامران سے نظریں نہ ملا سکی۔

بہت بہت شکریہ ثمینہ تم نے میری محبت کی لاج رکھ لی، اسے مجروح ہونے سے بچالیا تم نے مجھے نئی زندگی عطا کر دی، فرط محبت سے کامران نے اٹھ کر اسے خود سے بہت قریب کر لیا اور دھیرے سے کہا " محترمہ ہم نے یوں ہی نہیں چاہا تم کو۔ ! کامران نے اس کے چوڑیوں سے خالی سونے سونے ہاتھ تھام کر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ ان پر رکھ دیئے اور وہاں سے چلا آیا، وہ جب جانے لگا تو ثمینہ کے دل پر اپنے لئے عظمت کے نشان نقش کرتا گیا قدرت کے اس عجیب وغریب فیصلہ پر ثمینہ کی آنکھیں بھر آئیں اور آنسوؤں کے دو قطرے لڑھک کر اس کے رخسار کا سہارا لے کر اسکی ساڑی کے آنچل میں جذب ہو گئے، یہ آنسو خوشی کے تھے یا کسی کی عظمت کردار پر بہہ نکلے تھے وہ انہیں کوئی عنوان نہ دے سکی۔ !

(ماہنامہ پاکیزہ نئی دہلی فبروری ۱۹۹۸ء)

سے ان کے اپنے وجود معطر ہونے لگے لیکن ساتھ ہی خرچ کا دائرہ بھی پھیلنے لگا۔ طائر وقت نے جب اپنے پر پھیلائے اور افق زندگی میں دور تک اڑنے لگا تو اللہ رب العزت نے انھیں اوصاف کی شکل میں ایک گول مٹول اور خوبصورت سا بیٹا عطا کیا۔ اس پھول نے ان کے گلشن حیات کو رونق بخشی۔ ننھے اوصاف کی کلکاریوں سے ان کا چھوٹا سا آشیاں گونجنے لگا۔ وہ دونوں اپنے انمول پیار کے ان موتیوں کو قدرت کے پیش بہا انعام سے تعبیر کرتے اور ان کے ننھے وجود کو اپنے سینے سے چمٹا کر راحت محسوس کرتے!

جب آہستہ آہستہ زندگی کی ضرورتیں اپنا دامن پھیلانے لگیں تو کاشف یہ سوچنے پر مجبور ہونے لگے کہ یہاں ہندوستان میں رہ کر جتنا کمایا جاسکتا ہے وہ محض چھوٹی موٹی ضرورتوں کی تکمیل کی حد تک کافی ہوسکتا ہے اور پھر جب وہ اپنے آس پاس نظر ڈالتے تو انھیں یوں لگتا جیسے وہ کسی اور ہی دنیا میں رہ رہے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے کہ معمولی تعلیم حاصل کرکے جو لوگ خلیجی ممالک میں ملازم ہیں وہ غیر معمولی کما رہے ہیں، جبکہ وہ ایک قابل ترین ڈگری ہولڈر تھے تب انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود بھی خلیجی ملک جائیں گے، پھر انھوں نے اپنی شریک حیات ثمرین سے اپنے اس پروگرام کے متعلق بات کی۔

ثمرین نے جب سنا تو قدرے پریشان ہوگئی اور کہا "آپ یہاں جو کچھ کما رہے ہیں وہ ہماری ضرورتوں کی تکمیل کیلئے کافی ہے۔ اللہ تعالی نے جب ہمیں ہر خوشی دی ہے تو صرف دولت کے حصول کیلئے ان نعمتوں سے ناشکری کیوں کی جائے؟"

نہیں ثمرین تم مجھے غلط مت سمجھو میں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے مکر نہیں رہا اسی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ ہم آج اتنی خوشحال زندگی گزار رہے ہیں لیکن ذرا سوچو کہ میرے کندھوں پر دو چھوٹی بہنوں فرحین اور زرین کی شادیوں کی ذمہ داری بھی ابو چھوڑ گئے ہیں۔ اسے بھی ہمیں نبھانا ہے۔ اور پھر کل کو جب شانو اور اوصاف بڑے ہوں گے تو ان کی تعلیم کا خرچ اور دوسری ضرورتوں کی تکمیل کیا ہم اس معمولی آمدنی سے پورا کر پائیں گے۔ اور پھر ہمیں اپنے خوابوں کا گھروندہ بھی بنانا ہے۔ ایک چھوٹا سا سہی
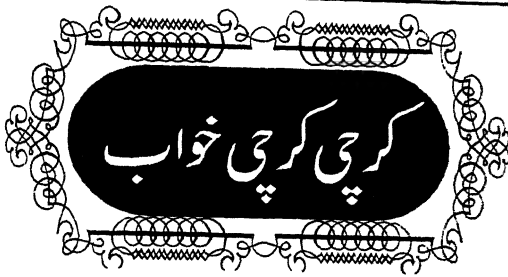
وہ آج بے انتہا خوش تھی، خوشی کا احساس اس کے خوبصورت وجود میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اس کی ایک ایک حرکت سے خوشی چھلکتی جارہی تھی، اس کی ممی والدہ اور امی جان (ساس) دونوں ہی اسے اس کیفیت میں دیکھ کر زیر لب تبسم تھے ان کی تجربہ کار نگاہیں اس کے وجود سے چھلکتی جارہی خوشی کو محسوس کر رہی تھیں اور ان کے اپنے وجود بھی طمانیت سے سرشار ہوتے جارہے تھے، انھیں پتہ تھا کہ ثمرین آج خوشیوں کے بحر پیکراں میں کیوں ڈوبی جارہی تھی، ایک طویل عرصہ کی جدائی کے بعد آج ان کا بیٹا اور ثمرین کا شوہر کاشف ریاض (سعودی عرب) سے چھٹیوں میں اپنے وطن حیدرآباد لوٹ رہا تھا، ایک جانب اس کے دونوں بچے شانو اور اوصاف بھی خوشی خوشی کھیل میں مگن تھے۔

کاشف اور ثمرین کی شادی ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو رہے تھے۔ کاشف نے شروع میں سائنس میں ڈگری حاصل کی تھی اور بعد میں کمپیوٹر انجنیرنگ میں بھی ڈگری لی تھی۔ حیدرآباد ہی میں ایک کمپنی میں ملازم تھا تنخواہ معقول تھی لیکن پھر بھی آجکل خواہشوں کے حصار میں قید اور مسابقتی دوڑ میں گھری زندگی کیلئے کسی قدر ناکافی تھی۔ پھر جوں جوں وقت کی سوئی آگے بڑھتی رہی ان کی اپنی ضرورتوں اور حقوق العباد کی تکمیل کاشف کیلئے قدرے ذہنی بوجھ کی شکل اختیار کرتی گئی، کیونکہ کاشف کے کندھوں پر بیوہ ماں اور چھوٹی دو بہنوں کی ذمہ داری بھی اس کے ابو چھوڑ گئے تھے۔ پھر ان کے صحن زندگی میں جب شانو کی شکل میں ایک کلی کھلی تو اس کی بھینی بھینی پیار بھری مہک

خوبصورت مکان جس کی بالکنی میں بیٹھ کر ہم سورج کے ڈوبنے کا دلفریب منظر دیکھا کریں گے ،جس میں ہمارے بچوں کے قہقہے گونجا کریں گے ،اس کے کشادہ صحن میں خوبصورت کیاریاں بنی ہوں گی جن میں خوبصورت رنگ برنگے پھول کھلیں گے اور سارے گھر کو اپنی خوشبو سے معطر کرینگے کیا تم نہیں چاہوگی کہ ہمارے یہ خواب پورے ہوں ہمیں ان خوابوں کی سچی تعبیر ملے ،ہمارا اپنا اک چھوٹا سا آشیاں بنے اور ہماری آرزوؤں و تمناؤں کی تکمیل ہو۔! کاشف نے ثمرین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

ہاں کاشف یہ تو ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ ایک چھوٹا سا ہی سہی اس کا اپنا الگ آشیاں ہو میں بھی چاہتی ہوں کہ ہمارا بھی ایک خوبصورت گھر بنے اور ہمارا یہ گھر خوشیوں کا گہوارہ ہو،جہاں خلوص و محبت کی مہک ہو۔اور میں اسے نمونہ جنت بناؤں گی۔اللہ رب العزت کا بڑا کرم ہے کہ ہمارے ہاں کوئی مسائل نہیں ہیں۔لیکن صرف آپ سے جدائی کا تصور ہی میرے لئے سوہان روح بنتا جا رہا ہے۔مجھے ڈر ہے کہ یہ طویل عرصہ میرے لئے کہیں قیامت نہ ثابت ہو۔!ثمرین نے کہا۔

نہیں ثمرین تم اتنی پست ہمت نہ بنو۔یہ تو قدرت کا بنایا ہوا اصول ہے کہ انسان کو اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لئے ظاہر ہے کہ قربانی دینی ہی پڑتی ہے ہمیں بھی ایک دوسرے سے دوری اور جدائی کا یہ زہر پینا ہوگا۔اور اگر انسان کا حوصلہ بلند ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔تم بھی اپنا حوصلہ بلند رکھو بہت جلد ہماری جدائی کے یہ دن ختم ہوجائیں گے ،کاشف نے جب ثمرین کی ہمت بندھائی تو اس نے انھیں خلیجی ملک جانے کیلئے اجازت دے دی۔

کاشف ایک قابل شخص تھے ،ان کی کوشش بہت جلد کامیاب ہوگئیں ،انھیں ریاض میں ایک امریکی کمپنی میں ملازمت مل گئی ،تنخواہ بھی معقول تھی ،دیکھتے ہی دیکھتے سارے کام ہوگئے اور وہ اپنے افراد خاندان سے بچھڑ کر ریاض (سعودی عرب) کیلئے پرواز کر گئے وہاں پہنچ کر بہت جلد انھوں نے اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا۔ان کی کمپنی کے

اعلی افسر انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی قابلیت کی بنیاد پر انھیں قابل احترام سمجھتے تھے ۔انھوں نے بہت جلد اپنی کمپنی میں اعلی مقام حاصل کرلیا ۔انکی تنخواہ میں بھی قابل قدر اضافہ کیا گیا۔

ادھر ثمرین تنہا ہوگئی تھی ۔گھر کی ساری ذمہ داری اس کے نازک کندھوں پر آن پڑی تھی گھریلو ضروریات کی تکمیل کیلئے اسے مجبوراً گھر سے باہر نکلنا پڑتا بچوں کے اسکول جانا ہوتا ۔ان کی تعلیم پر خاص توجہ دینی پڑتی فرحین اور زرین کی ضرورتوں کا خیال رکھنا پڑتا اور پھر امی جان کی صحت کیلئے بھی اسے سوچنا پڑتا یوں تو ضعیفی خود ایک مرض ہوتا ہے اسپر دوسرے کئی امراض نے انھیں گھیر رکھا تھا ۔دواخانوں کے چکر بھی اسے کاٹنے پڑتے ۔ان سب امور کی تکمیل میں وہ تھک کر چور ہوجاتی ۔رات جب بستر پر لیٹتی تو نیند کی دیوی اس قدر مہربان ہوتی کہ پتہ ہی نہ چلتا ۔دوسرے دن پھر وہ اپنے روزانہ کے معمولات میں مشغول ہوجاتی کاشف سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی چلتا رہا ۔ گھر کے حالات پر سکون اور اطمینان بخش چل رہے تھے تو کاشف بھی مطمئن تھے اپنی ساری توجہ کمپنی کے کاموں پر مرکوز رکھتے ۔

کاشف دو سال بعد جب چھٹی پر وطن لوٹے تو اپنی دونوں بہنوں فرحین اور زرین کی شادیوں کا پروگرام ان کے ساتھ تھا ۔ادھر ثمرین اور امی جان کی کاوشوں کے نتیجے میں دونوں کے رشتے مناسب خاندان میں طے پاگئے تھے ۔ ثمرین نے بہت بھاگ دوڑ کی تھی اور ساری تیاری تقریبا مکمل ہی تھی ۔ کاشف کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑا اور اللہ کے فضل و کرم سے شادی کی تقریب پر اثر انداز میں انجام پائی ۔دونوں دولہے ایک ہی مسند پر رونق افروز ہوئے اور دونوں کا خطبہ نکاح ایک ساتھ پڑھا گیا ۔مہمانوں کی کثیر تعداد نے جن میں عزیز و اقارب کے علاوہ معززین شہر بھی شامل تھے ۔اس مقدس محفل کو رونق بخشی اور نکاح کی یہ مقدس محفل شاندار طریقے پر اختتام کو پہنچی۔

کاشف اور ثمرین بہت خوش تھے کہ اللہ تعالی نے ان کی قربانیوں کو قبول کیا اور

ان کے کندھوں سے بہنوں کی ذمہ داری کا بوجھ بہت خوش اسلوبی سے ہٹ پایا ۔ امی جان بھی بہت خوش تھیں اور بیٹے بہو کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہونے لگی تھی اور اپنے ملنے جلنے والیوں کے سامنے انھیں بے شمار دعاؤں سے نواز رہی تھیں ۔

شادی کی مصروفیات جب اختتام کو پہنچیں تو کاشف نے ثمرین سے کہا "میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ایک مناسب سا پلاٹ خرید لیں ۔ تاکہ آئندہ چھٹیوں میں جب میں آؤں تو کسی معقول انجینئر کے ذریعہ اپنا من پسند مکان بنا سکیں ، تمھارا کیا خیال ہے ، کیا علیحدہ مکان پسند کروگی یا کسی کامپلکس میں فلیٹ ؟"

فلیٹ کی زندگی مجھے قطعی پسند نہیں ۔ اس میں نہ زمین اپنی ہوتی ہے اور نہ چھت میں تو یہی چاہتی ہوں کہ ہم مختصر سا ہی سہی مکان ہی بنالیں تین سو گز رقبہ والا پلاٹ کسی اچھے اور ہوادار مقام پر خرید لیں گے ۔ اور پھر آپکی جب اور جیسی گنجائش ہو تعمیری کام شروع کیا جاسکتا ہے ! ثمرین نے اپنا نظریہ بیان کیا ۔

" ہاں ثمرین ، بہت مناسب خیال ہے تمہارا مجھے خوشی ہے کہ تم نے بھی میرے ہی خیالات کی ترجمانی کی ہے میں چاہتا ہوں کہ امی جان سے بھی اس مسئلہ پر بات کرلوں ، ان ہی کی دعاؤں کے طفیل ہم اپنے اس خواب کی تعبیر انشاء اللہ ضرور پائیں گے ۔ " کاشف مسکراتے ہوئے کہنے لگے ۔

بے شک ، ان کے علاوہ ہمارے لئے بزرگ ہستی اور ہے بھی کون ، ان ہی کے مشورے پر آپ عمل کیجئے گا ، ثمرین نے جب کھلے دل سے کہا تو کاشف کو اس کی اعلیٰ ظرفی پر بے انتہا پیار آگیا ۔ وہ اسے محبت پاش اور میٹھی نگاہوں سے تکنے لگے ۔ انھیں اس طرح گھورتا ہوا دیکھ کر ثمرین نے پوچھا "آپ اس طرح یوں تیکھی نگاہوں سے کیوں دیکھ رہے ہیں کیا میں نے کچھ غلط کہا ؟"

" ارے پگلی یہ تیکھی نہیں میٹھی نگاہیں ہیں میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار

ہوں کہ اس نے مجھے تم جیسی اعلیٰ ظرف اور خوبصورت شریک حیات عطا کی ہے ، نجانے یہ میرے کس نیک عمل کا انعام ہے جو اس نے جیتے جی تمہاری شکل میں عطا کردیا۔ دنیا کے مفکرین کا خیال ہے کہ نیک اور اچھی بیوی مرد کیلئے دنیا ہی میں جنت ہے تو ثمرین تم میری شریک حیات ہی نہیں میری جنت بھی ہو ،! کاشف نے جب اس پر فدا ہوتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار شرما گئی اور کاشف کو تنگ کرنے کیلئے کہا۔

"اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہو تو اسی طرح مسکہ پالش کرتا ہے "

"کیا تم مجھے بھی ان مردوں میں شمار کرتی ہو ! کاشف جب بیحد سنجیدہ لہجے میں پوچھ بیٹھے تو وہ سٹ پٹا گئی اور ان کی خفگی کو دور کرنے کی غرض سے کہا۔

"میں نے تو ایک عام سی بات کہی تھی ، آپ یوں خواہ مخواہ ناراض نہ ہوں !

"ٹھیک ہے میری جنت ! انھوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور مسکراتے ہوئے باہر چلے گئے تو وہ بھی کام میں جٹ گئی۔

چند ہی دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد کاشف ایک پلاٹ خریدنے میں کامیاب ہوگئے ، شہر کے انتہائی پر فضا اور مہنگے مقام پر انھیں ڈھائی سو گز زمین مل ہی گئی۔ زمین کی خریداری کی ضروری کاروائی انھوں نے مکمل کرلی اور پھر اپنی موجودگی میں اس پلاٹ کی حدبندی بھی کروادی ساتھ ہی ایک مشہور آرکیٹکٹ وانجینئر کو مکان کی پلاننگ کا کام بھی سونپ دیا۔

چھٹیوں کے اختتام پر جانے سے قبل ایک رات وہ بستر سے اٹھے اور اپنے سوٹ کیس کی واچ پاکٹ سے کوئی چیز نکالنے لگے ، ثمرین تکیہ کے سہارے لیٹی کسی اردو ڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہی تھی ، وہ بھی مطالعہ ترک کرکے ان کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لینے لگی ، کاشف بڑی احتیاط سے کوئی چیز اس طرح نکال رہے تھے کہ وہ چاہتے

ہوئے بھی دیکھ نہ سکی، پھر وہ اس کے قریب چلے آئے اور حکم دیا "اپنی آنکھیں بند کرو اور دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا دو۔

ثمرین نے کسی فرماں بردار طالب علم کی طرح ان کے حکم کی تعمیل کی۔ تب کاشف نے سونے کے دو خوبصورت کنگن اس کے خوبصورت حنائی ہاتھوں میں پہنا دیئے اور پیار سے اپنی مہر محبت اس کے ہاتھوں پر ثبت کرتے ہوئے کہا "ثمرین یہ رہا تمہارا تحفہ اور انعام بھی تم نے جس جستجو اور لگن سے میری ذمہ داریوں کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا اور اپنے فرض کو بخوبی نبھایا اور بے انتہا خوش دلی اور خوش اسلوبی کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے ایک حقیر سا تحفہ پیش ہے! کاشف جذباتی لہجے میں کہنے لگے تو ثمرین اپنی آنکھیں کھول کر انہیں تکنے لگی۔ کچھ لمحے توقف کے بعد اس نے کہا " کاشف آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں، کیا آپ کی بہنوں سے میرا کوئی رشتہ نہیں، کیا وہ میری بہنیں نہیں ہیں میں نے جو کچھ کیا وہ میرا بھی فرض تھا، جو کہ میں نے نبھایا اور بس! پھر اپنے ہاتھوں میں خوبصورت کنگن دیکھ کر خوشی سے کہنے لگی " کاشف اس تحفہ اور انعام کا بہت بہت شکریہ، آپ مجھے ہر حال میں اپنی شریک پائیں گے، آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ عورت جب کسی کی بیوی بنتی ہے تو اسے شریک حیات کہا جاتا ہے یعنی شوہر کی تاحیات اس کے دکھ سکھ کی شریک اس کی ہر ذمہ داری کی تکمیل کی شریک، اگر کوئی عورت اس امر میں کامیاب نہیں اترتی ہو تو میں کہوں گی کہ اسے شریک حیات کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

ثمرین کے خیالات جان کر کاشف اتنے خوش ہوئے کہ خود پر قابو نہ رکھ پائے اور اسے اپنی باہوں میں بھر کر کہا " اللہ تعالی ہر شخص کو تم جیسی شریک حیات عطا کرے " آمین ثمہ آمین۔

چھٹیاں جب ختم ہوئیں تو کاشف ریاض کیلئے پھر پرواز کر گئے پھر ثمرین کے پاس صرف انکی یادوں کا سرمایہ رہ گیا، چند دن بڑی اکتاہٹ میں گزرے پھر آہستہ

آہستہ وہ روز مرہ کے کاموں میں اپنی توجہ کاشف کی یادوں سے ہٹانے میں کسی طرح کامیاب ہو گئی، اس طرح دو سال کا پھر ایک طویل عرصہ اسے تنہائی کے زہر کو پی کر گزارنا پڑا۔

وقت بھی کہیں رکا ہے، طائر وقت پرواز کرتا گیا اور مہینوں کی مدت طے کر ڈالی۔ اس وقفے میں بہاریں آئیں اور گئیں، پت جھڑ آئے موسم بدلے رتیں بدلیں اور دو سال کا یہ طویل عرصہ بیت گیا اور آج کاشف پھر چھٹیوں میں اپنے بہت سے پروگرام لیئے وطن لوٹ رہے تھے، ان پروگراموں میں سب سے اہم پروگرام تھا کاشف اور ثمرین کی پسند اور خوابوں کے گھروندے کی تعمیر کا۔

ثمرین اور بچے ایک جانب بے انتہا خوش تھے تو دوسری جانب کاشف کی بہنیں فرحین اور زرین بھی اپنے اپنے شوہر کے ساتھ بھائی کے استقبال کیلئے آپہنچی تھیں، سب لوگ تیار ہو کر ایرپورٹ پہنچے اور جدہ سے راست آنے والی فلائٹ کا انتظار کرنے لگے، انتظار کی طویل اور کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں۔

اور مائک پر اعلان ہونے لگا۔

خواتین و حضرات، آپ سب کی انتظار کی گھڑیاں اب ختم ہو رہی ہیں، جدہ سے آنے والی فلائٹ ابھی چند لمحوں میں لینڈ کرے گی، چند ہی لمحوں بعد واقعی جہاز زمین چھونے لگا اور پھر مسافر ایک ایک کر کے سیڑھیاں اترنے لگے جن منتظرین کے متعلقہ افراد جہاز سے اتر رہے تھے وہ لوگ خوشی سے آوازیں بلند کر رہے تھے کوئی اپنا ہاتھ لہرا رہا تھا تو کوئی اپنا رومال۔ ایک ایک کر کے تمام مسافر جہاز سے اتر گئے لیکن کاشف کا کہیں پتہ نہ تھا، ہر کوئی مضطرب نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا،

ثمرین کی نگاہیں بے تابی اور اضطراب کا مظہر تھیں اور ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں اس کا ذہن لمحوں میں بے شمار وسوسوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، فرحین اور زرین بھی بے چین تھیں اور پریشان ہوکر اپنے اپنے شوہر کو سوالیہ نگاہوں سے تک رہی تھیں۔ ان سب پر قیامت خیز اضطراب نازل تھا کہ کاشف آخر آئے کیوں نہیں۔ اور اب کیا کرنا چاہیے وہ سب ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے کہ مائک پر ایک نسوانی آواز گونج اٹھی۔

خواتین و حضرات ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے بے حد افسوس درنج ہو رہا ہے کہ جدہ سے آئی ہوئی فلائٹ میں ہمارے ایک معزز مسافر جو کہ ریاض سے حیدر آباد کیلئے سفر کررہے تھے حرکت قلب بند ہوجانے سے ان کا انتقال ہوگیا، باوجود کوشش کے انھیں بچایا نہ جاسکا۔ ان کا نام ہے جناب کاشف احمد صدیقی یہ اعلان سنتے ہی ثمرین کی چیخ نکل گئی "نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، کاشف مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے! پھر وہ وزیٹرس لاونج کے پکے فرش پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔

اس کے بعد کیا ہوا اسے کچھ معلوم نہ ہوسکا، اسے جب ہوش آیا تو اس وقت جب کاشف کا جنازہ تیار تھا اور وہ اپنے آخری سفر کیلئے تیار تھے، عزیز واقارب دوست واحباب ہر ایک کی آنکھیں کاشف کی جواں سال موت پر اشکبار تھیں، آسماں بھی گویا سوگوار تھا اور ایک عجیب سی اداسی سارے ماحول پر طاری تھی اور ادھر ثمرین کی دنیا ہی لٹ چکی تھی، اس کے نازک وجود پر اچانک ہی غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے کاشف اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے، اور اس کے سارے ارمان سارے خواب ٹوٹ کر اس طرح بکھرے تھے جس طرح کسی پکے فرش پر ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے ریزہ ریزہ کرچی کرچی۔

(ماہنامہ پاکیزہ دہلی۔ اپریل ۱۹۹۸ء)

نئی صبح

عامر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اسے گھر کی فضا کچھ بوجھل بوجھل اور اداس اداس سی لگی ۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا ، اسے نہ شاہین نظر آئی اور نہ ماں عائشہ خانم ، ببلو بھی کہیں دکھائی نہ دیا ، اس نے سب سے پہلے اپنے بیڈروم کا رخ کیا ، کمرہ خالی پڑا تھا ، کمرے کی ہر چیز ادھر ادھر بکھری پڑی تھی ، اس نے جب الماری کی چھت پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ سوٹ کیس غائب ہے ، تب ساری بات اس کی سمجھ میں آئی ، اس نے خود سے مخاطب ہو کر کہا ، تو شاہین آخر چلی ہی گئی ، اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں ، اس نے سوچا ، یہ عورت آخر کس خمیر سے بنائی گئی ہے ، ماں حوا سے لے کر آج تک کی ساری عورتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں ، انہیں آخر کون سمجھ پائے گا ؟

وہ سوچ میں ڈوبا ہوا اپنے کمرے سے نکلا ہی تھا کہ اس کی نظر اپنی ماں عائشہ خانم پر پڑی اس نے سوالیہ نگاہوں سے ماں کو دیکھا ۔ ماں نے کہا ، " عامر بیٹے ، تمہاری دلہن اپنے میکے چلی گئی ہے ، جاتے ہوئے تمہارے لئے یہ پیغام چھوڑ گئی ہے ، کہ تم اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو ، اور اس نے یہ بھی کہا کہ اس کی جانب سے تمہیں اجازت ہے کہ تم چاہو تو دوسری شادی کر سکتے ہو ، وہ اپنے میکے جارہی ہے ، کیوں کہ وہ اس گھر میں مزید رہنا گوارا نہیں کرتی ۔ "

" لیکن امی جان یہ سب ہو کیا رہا ہے اس گھر میں ؟ وہ روز روز کی اس کٹ کٹ سے عاجز آگیا تھا " کسی پل سکون نہیں ، آدمی دن بھر کاروباری مصروفیت کے بعد جب گھر لوٹتا ہے تو اس لئے کہ کچھ سکون حاصل کر سکے ، اور اگر گھر پر بھی اسے مسائل میں الجھنا پڑے تو وہ گھر آئے ہی کیوں ؟ " اس نے جھنجھلاہٹ سے بھرپور لہجے میں ماں سے کہا اور باہر نکل گیا ۔

اور اسکوٹر پر سوار شہر سے دور بہت دور آ گے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ساحل سمندر سے قریب بنی ہوئی تفریح گاہ کا رخ کیا۔ وہاں سیمنٹ کی بنی ہوئی بنچوں میں ایک بینچ کا انتخاب کیا اور بیٹھ گیا، یہاں زندگی دل کش تھی، وہ یہاں کی رعنائیوں میں کھوکر جیسے اپنی ساری پریشانی بھولتا گیا۔ کیاریوں میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے، دور تک سبزہ زار یوں پھیلا ہوا تھا جیسے سبز مخملی چادر بچھادی گئی ہو، خوب صورت گول مٹول بچے مگن ہو رہے تھے، یہاں خوب صورت چہرے بھی تھے اور ریشمی آنچلوں کی سرسراہٹ بھی چند جوڑے قریب کی بینچوں پر بیٹھے دنیا و مافیہا سے بے خبر میٹھی میٹھی باتوں میں مگن تھے، طمانیت ان کے چہروں سے چھلک رہی تھی۔

سورج اب ڈھل چکا تھا اور دور بہت دور سمندر کے سینے میں ڈوب رہا تھا، سارے آسمان پر جا بجا سرخی پھیلی ہوئی تھی، یہاں لوگ میلوں دور سے بس یہی ایک منظر کو دیکھنے چلے آتے تھے، اتنا دل فریب منظر ہوا کرتا کہ انسان خود بخود قدرت کی اس تخلیق پر عش عش کر اٹھتا اور خدا کی عظمت کا نشان اپنے دل پر نقش کرلیتا، عامر بھی غروب آفتاب کے اس دل فریب منظر میں جیسے کھوسا گیا اور سوچ کی کشتی پر سوار وہ ماضی کے سمندر میں دور تک نکلتا چلا گیا۔

یہیں عامر کی پہلی ملاقات شاہین سے ہوئی تھی، وہ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ اس تفریح گاہ پر آیا کرتا۔ اس دن بھی وہ یہاں آیا تھا اپنے ایک دوست کے ساتھ، شاہین اس کے برابر کی بینچ پر بیٹھی تھی، وہ اتنی خوب صورت تھی کہ نگاہیں اس کے چہرے سے جیسے چپک کر رہ گئیں تھیں، دو ایک بار تو ان دونوں کی نگاہیں بھی ٹکرا گئیں، اس کے ساتھ غالباً "کوئی سہیلی تھی، اس نے عامر سے مخاطب ہوکر کہا" اے مسٹر غروب آفتاب کا اتنا دل کش منظر ادھر ہے اور آپ ہیں کہ اس لڑکی میں کھوئے جارہے ہیں"

"بھلا آپ کیا جانیں، میں تو اس منظر کا سارا عکس آپ کی سہیلی کے چہرے پر دیکھ رہا ہوں بہت خوبصورت ہیں یہ آپ کی سہیلی۔ کیا نام ہے ان کا؟" اس نے بلا

جھجک پوچھ لیا " ہائیں ! جان نہ پہچان میں تیرا مہمان ! " اس نے تعجب سے عامر کو دیکھا پھر پوچھنے لگی " بھلا آپ ہیں کس کھیت کی مولی ؟ "

" بندے کو عامر کہتے ہیں ، گریجویشن کر رہا ہوں ، رہتا ہوں اس گلی میں جہاں کبھی چچا مجنوں رہا کرتے تھے " عامر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ، اس نے دیکھا لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جو اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی ، تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں عامر اور اس کے دوست سے گھل مل گئیں ، ایسا لگ رہا تھا ان کی یہ پہلی ملاقات نہ ہو ، بلکہ برسوں سے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں ، ان کی واپسی بھی ان ہی کے ساتھ ہوئی ، عامر اور اس کے دوست نے مل کر ان دونوں کو ان کے گھروں تک چھوڑا اور پھر اپنے اپنے گھر لوٹ گئے ۔

پہلی ملاقات اتنی خوش گوار تھی کہ انہوں نے دوسری ملاقات کا وقت بھی طے کرلیا ، اور اس طرح یہ ملاقاتوں کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا ، ان کی رفاقت آہستہ آہستہ محبت میں بدلتی گئی اور محبت اتنی گہری ہوتی گئی کہ انہوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ۔

وقت آگے بڑھتا گیا ، عامر نے گریجویشن کی تکمیل کی اور ساتھ ہی کمپیوٹر سائینس میں بھی ڈپلومہ کرلیا ، وہ اب چاہتا تھا کہ خلیجی ممالک کا رخ کرے تاکہ زندگی سنوارنے کیلئے کچھ نہ کچھ معاش کا بندوبست ہوسکے ۔ جب اس نے شاہین سے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تو وہ بضد ہوگئی کہ جاؤ ضرور لیکن شادی کے بعد ، شاہین کی ضد کے آگے اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی ماں اور بڑے بھائی کو بھی منالیا ، سر سے والد کا شفیق سایہ تو اٹھ چکا تھا ، بڑے بھائی ہی سارے سرپرست تھے ، ماں اس کی سب کچھ تھیں ، چھوٹا بیٹا ہونے کے ناطے ماں اس کو بے حد چاہتی تھیں ، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بیٹے کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دی اور شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں ۔

ایک مبارک دن وہ دونوں شادی کے بندھن میں بندھ گئے ۔ شہنائیوں کی گونج میں شاہین کو رخصت کردیا گیا ۔ وہ لباس عروسی میں واقعی پری لگ رہی تھی ، اس کی شہابی رنگت پر دلہن کا سنگھار اور سرخ عروسی جوڑا غضب ڈھارہا تھا ۔ دلہن کو جس نے بھی

کرسکو۔ ماں کا خط پڑھنے کے بعد شاہین پر اسے بے حد غصہ آیا اور ایک تکلیف دہ احساس بھی ہوا کہ اس نے جھوٹ کا سہارا کیوں لیا، اب اسے اپنے گھر ماں اور بچے کو دیکھنے کی تمنا ستانے لگی، وہ جلد سے جلد وطن لوٹ جانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی معاہدے کی مدت ختم ہوئی اس نے واپسی کا ٹکٹ کٹوالیا، جب وہ اپنے وطن لوٹا تو اسے بے پایاں خوشی کا احساس ہونے لگا، جیسے ہی وہ ایرپورٹ پر اترا، دوڑتا ہوا وزیٹرس گیلری کی طرف پہنچا جہاں اس کی ماں، بھائی، بھاوج اور شاہین اپنے بچے کے ساتھ اس کے منتظر تھے، کسٹم سے چھٹکارا پاکر وہ باہر آیا۔

بھائی سے بغل گیر ہو گیا اور بھاوج کی تعظیم میں جھک گیا۔ بھاوج نے اسے پیار بھری چپت لگائی، پھر اپنے بچے ببلو کو لے کر پیار کرنے لگا۔ بچہ چونکہ پہلی بار باپ کے پیار کا لمس پا رہا تھا۔ اس لئے بے چین ہو کر رونے لگا، بچے کو شاہین کے حوالے کرکے وہ اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا، پھر یہ قافلہ گھر روانہ ہو گیا۔

چند روز گہما گہمی میں گزرے، پھر ایک دن ماں نے اسے اپنے پاس بلایا اور بینک پاس بک اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ اب کوئی اچھا سا بزنس بڑے بھائی کے مشورے سے فوراً شروع کردو۔"

پاس بک دیکھنے کے بعد اسے اتنی خوشی ہوئی کہ وہ بے اختیار ماں کے سینے سے لپٹ گیا اور بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے نکل پڑے، ماں نے اسے سمجھایا تو اس نے کہا "نہیں امی، میرے یہ آنسو عقیدت کے آنسو ہیں، مجھے یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہو رہی ہے کہ آپ نے میری بھیجی ہوئی ایک ایک پائی بچا کر رکھی ہے، آپ اگر چاہتیں تو سب کچھ خرچ کر سکتی تھیں"

اس دن اس کے دل میں ماں کی عظمت کا ایک نشان سا نقش ہو گیا اور ساتھ ہی شاہین پر اسے بے اختیار غصہ آیا کہ ایسی فرشتہ صفت ماں پر اس نے جھوٹا اور بے ہودہ الزام لگانے کی کوشش کی تھی، شاہین کی یہ حرکت اس کے دل میں پھانس بن کر چبھ گئی، اور اس کے اعتماد میں اک دراڑ پیدا کر گئی، جب اس نے شاہین سے پوچھا تو وہ

دیکھا عامر کی پسند کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

حجلہ ،عروسی میں جب عامر نے قدم رکھا تو ہر طرف خوشبو مہک رہی تھی ۔ گلاب اور موگرے کے پھولوں سے کمرہ سجایا گیا تھا ۔ حجلہء عروسی میں اس کی دلہن یوں گردن جھکائے بیٹھی تھی جیسے کوئی اجنبی لڑکی ہو ۔ جب عامر نے اس کا گھونگھٹ الٹا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا ،" سبحان اللہ ! یک بیک اس کی زبان سے نکلا ۔ وہ بالکل چودھویں رات کا چاند لگ رہی تھی ،جس کی پرنور شعاؤں سے اس کی زندگی چمک اٹھی ۔ وہ آج ایک نئی زندگی میں قدم رکھ رہے تھے ،جس میں پیار ، محبت ،اعتماد اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے ساتھ گھر کی ذمہ داری کا احساس بھی پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ بڑوں کی عزت چھوٹوں پر شفقت اور گھر کے ہر فرد کے احساسات کا خیال رکھنا ہوتا ہے ۔ کبھی ایثار سے کام لینا پڑتا ہے ۔ تو کبھی قربانی بھی دینی پڑتی ہے ۔ان نکات اور رموز کو اگر کوئی لڑکی سمجھ لے تو وہ ایک کامیاب بیوی کہلاتی ہے ۔

شادی کے ہنگامے جیسے ہی ختم ہوئے عامر خلیجی ممالک میں ملازمت کی تلاش کیلئے کوشاں ہو گیا ۔ بہت جلد اسے ریاض کی ایک بہت بڑی کمپنی میں معقول تنخواہ پر ملازمت مل گئی ۔اور وہ چلا گیا ۔ وہاں اس نے اپنی محنت اور جدوجہد سے کافی پیسہ کمایا۔ اپنی ساری کمائی وہ گھر بھیج دیتا ۔اسے شاہین کے خطوط سے گھر کے حالات کا علم ہوتا رہا ۔ وہ ہر وقت ماں کی شکایتیں لکھا کرتی اور یہی باور کراتی کہ تمہاری محنت کی کمائی یہاں بے دریغ لٹائی جا رہی ہے ۔تم جلد چلے آؤ یہاں پہنچ کر بھی کچھ نہ کچھ کمایا ہی جاسکتا ہے ۔ لیکن چونکہ معاہدہ دو سال کا تھا ، اسلئے عامر چاہتے ہوئے بھی واپس نہیں آسکتا تھا۔

اسی مدت میں اسے یہ خوش خبری بھی ملی کہ ان کی زندگی کے آنگن میں ایک خوب صورت پھول کھلا ہے ۔ ہر ایک نے مبارک بادی کے خطوط لکھے ، ماں نے بھی مبارک بادی اور دعائیں لکھیں اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ تمہاری بھیجی ہوئی ایک ایک پائی یہاں محفوظ رکھی گئی ہے تاکہ تم جب واپس لوٹو گے تو اپنا کوئی بزنس شروع

ٹال گئی اور اس نے مزید جھوٹ کا سہارا لیا ۔ پھر ان دونوں کے درمیان خلیج بڑھتی ہی چلی گئی ۔ ہر روز چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کھڑا ہوتا ۔ اور وہ غصہ میں بھرا بغیر کچھ کھائے گھر سے نکل پڑتا ۔ اس نے شاہین کو بہت سمجھایا اور کہا مل جل کر رہنے میں سب کی بھلائی ہے اور پھر اسے بزنس کے میدان میں اپنے قدم بھی تو جمانے ہیں لیکن شاہین نہ مانی ۔ اس کی ایک ہی ضد تھی کہ اگر وہ اس کا ساتھ چاہتا ہے تو علیحدہ گھر لے ورنہ وہ چلی جائے گی ۔ اور آج واقعی وہ جاچکی تھی ۔

ماضی میں اپنی زندگی کے گزرے ہوئے لمحوں کا حساب کرتے کرتے عامر حال میں لوٹا تو کافی رات ہوچکی تھی ۔ چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور چھوٹے چھوٹے تارے ٹمٹما رہے تھے ۔ اسے بے اختیار اپنے بچے ببلو کی یاد آگئی ۔ کتنا معصوم تھا وہ ۔ بالکل ان ٹمٹماتے تاروں کی مانند مسکراتا تھا ۔ پھر یک بیک اسے کوثر یاد آگئی ۔ کوثر امید کی ایک کرن بن کر چمکی تھی ۔ اس سلسلہ میں وہ اس کی ضرور مدد کرے گی ۔ یہ کوثر وہی لڑکی تھی جو ان دونوں کی محبت کی ہمراز تھی ۔ اس نے سیدھا کوثر کے گھر کا رخ کیا ۔

کوثر نے جب سارے حالات سنے تو اس نے عامر سے پوچھا " اب آپ کا اگلا قدم کیا ہوگا ؟ ایک ضروری سوال یہ بھی ہیکہ کیا آپ دوسری شادی کرنے کو تیار ہیں ؟ اور اگر تیار نہ بھی ہوں تو اب تیار ہوجائے ۔ یہی ایک شاہین کے مرض کا علاج ہے ۔

" یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ؟ " وہ بوکھلا گیا ۔ دوسری شادی ۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا ۔ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ میں نے ہمیشہ ساتھ نبھانے کی قسم کھائی ہے ۔ اور میں اپنا وعدہ وفا کرنا چاہتا ہوں ۔ اور پھر مجھ سے دوسری شادی کرے گا بھی کون ۔ کوثر کے سوالوں سے وہ گھبرا سا گیا ۔

میں کروں گی آپ کے ساتھ شادی ۔ پھر اس نے ایک ترکیب اسے بتائی ۔ وہ مطمئن سا وہاں سے چلا آیا ۔

ادھر شاہین اپنے میکے چلی تو گئی لیکن جب غبار چھٹا تو بجھی بجھی سی رہنے لگی ۔ اک عجیب سا احساس اس کے دل میں ابھرنے لگا ۔ چند دن تو گھر کے سب ہی لوگ

اس کی دل جوئی کرتے رہے اس کے بھائیوں نے اسے سمجھایا بھی کہ جو قدم اس نے اٹھایا ہے وہ غلط ہے ۔ اس طرح بغیر عامر کی اجازت لئے گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا ۔ لیکن چونکہ چھوٹی بہن تھی ۔ اس لئے دلاسا بھی دیا ، پھر جیسے ہی دن گزرتے گئے اس کی بھابیوں کی سرگوشیوں کی سرسراہٹ اس کے کانوں تک پہنچنے لگی ، کبھی کھلے طور پر اور کبھی دبے دبے لہجے میں انہوں نے اسے طعنے دینے شروع کر دیئے ۔ اب اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے ۔ شوہر چاہے جیسا بھی ہو ، وہ عورت کیلئے ایک مضبوط سہارا ہوتا ہے ۔ وہ ایک ایسا سایہ دار درخت ہوتا ہے جس کے سائے میں میٹھی نیند سوئی جا سکتی ہے ۔ لیکن اب کیا صورت لے کر جائے گی وہ اپنے سسرال ؟ اس کی انا اس کے آگے دیوار بننے لگی ، پھر اس نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا ۔

وہ دن شاہین کیلئے قیامت سے کم نہ تھا جب اس کی میز پر ایک سرخ فیتے سے بندھا ہوا شادی کا کارڈ پڑا تھا ، عامر دوسری شادی کر رہا تھا ، اور لڑکی کوئی اور نہیں اس کی اپنی سہیلی کوثر تھی ، شادی دو دن بعد تھی ، وہ سوچ رہی تھی کہ آج سے صرف بہاتر گھنٹے بعد عامر کو وہ ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھے گی ۔ اس میں عامر کا کوئی قصور بھی تو نہ تھا ، وہ خود ہی تو بڑے زعم سے اسے دوسری شادی کی اجازت دے آئی تھی ۔ اب اسے کیا کرنا چاہیئے ؟ وہ رات بھر نہ سو سکی ، رات بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتی گزر گئی ۔ لیکن صبح ہونے سے قبل اس نے ایک فیصلہ کر لیا ۔

آج کی صبح اس کی زندگی کی بہت اہم صبح تھی ، وہ اٹھی اور نہانے کیلئے باتھ روم چلی گئی ، نہانے کے بعد وہ خود کو کچھ ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہی تھی ، خوب صورت لباس زیب تن کرنے کے بعد اس نے ببلو کو بھی صاف لباس پہنایا اور اپنا سوٹ کیس لے کر کمرے سے باہر آ گئی ۔

اس کی ماں اور بھائیوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے ، ماں نے پوچھا ، " کہاں جا رہی ہو شاہین ؟ " اس نے دبی زبان اور جھکی ہوئی نم آنکھوں سے کہا اپنے گھر "

جب وہ سسرال کی دہلیز پر کھڑی کال بیل کا بٹن دبا رہی تھی تو نہ جانے کیوں اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، کچھ لمحوں کے بعد جب دروازہ کھلا تو اس کی جیٹھانی نے معنی خیز مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور ببلو کو لیکر سینے سے بھینچ لیا، اور پیار کرنے لگیں، اسے اپنے ہمراہ اس کے کمرے تک لے گئیں جہاں عامر اپنے بستر پر دراز کسی رسالے کے مطالعہ میں مصروف تھا، بھابی نے اسے آواز دی اور کہا عامر دیکھو تو کون آیا ہے!" وہ یک بیک چونک پڑا اور اٹھ بیٹھا، پھر بھابی تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔

وہ عامر کے سامنے کسی مجرم کی طرح سر جھکائے اور آنکھوں میں ندامت کے آنسو لئے کھڑی رہی عامر آگے بڑھا اور اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا، اب بھی شاہین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

اتنے میں پیچھے ایک قہقہ بلند ہوا تو شاہین نے پلٹ کر دیکھا، سامنے اس کی سہیلی کوثر کھڑی مسکرا رہی تھی، پھر کوثر نے کہا "کیوں بنو! آگئی ہونا چکر میں! وہی دوسری شادی والا چکر! اس کے بعد اس نے عامر سے کہا "چلئے عامر صاحب، مٹھائی منگوایئے، ہماری چال کام یاب رہی، پھر وہ سنجیدہ لہجہ اپناتے ہوئے کہنے لگی، " شادی کوئی گڈا گڑیا کا کھیل نہیں کہ کچھ دن کھیلا اور بس کھیل ختم، یہ عمر بھر کا بندھن ہے، اسے مضبوطی سے باندھے رکھنا، اس بندھن کی ڈور پیار ایثار قربانی اور ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کے انمول دھاگوں سے بنتی ہے، سمجھی پگلی! اس نے شاہین کو گلے لگایا اور چلی گئی۔

جب کوثر چلی گئی تو شاہین کے دل میں اپنے لئے عظمت کا ایک انمٹ نقش چھوڑ گئی، باہر نیلے آسمان پر پرندوں کے جھنڈ آگے ہی آگے چلے جا رہے تھے، آج کی یہ صبح شاہین کیلئے زندگی کا نیا پیغام لے آئی تھی۔

(ماہنامہ "بانو" نئی دہلی)

"ارے او بڑی بی، کیا کر رہی ہو۔؟" جب ایک جانی پہچانی مردانی آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی اور پھر۔ بڑی بی کے لقب سے نوازنے کی ہمت کرنے والا بھلا کون ہوسکتا ہے، کس کی شامت آئی تھی کہ اسے اس لقب سے نوازتا۔! رخسار جو کہ صبح صبح صحن میں کیاریوں میں لگے گلاب کے پودوں کو تراشنے میں مشغول تھی کہ آج برسوں بعد کسی نے اسے بڑی بی کہہ کر مخاطب کیا۔ وہ جب پلٹی تو دیکھا سامنے چھ فٹ کا دراز قد خوبرو نوجوان انتہائی صاف ستھرا ودیدہ زیب لباس زیب تن کئے ہوئے تھا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے تکے جارہا تھا۔

"جلیل آپ۔ آپ کب آئے۔؟" اس پر جیسے یکلخت حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں وہ اپنی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی، جلیل جو کہ سات سمندر پار ملازمت پر گیا ہوا تھا اسطرح بغیر کسی اطلاع کے اچانک ہی اسکے روبرو آ کھڑا ہوجائیگا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔!

"کل رات کی فلائٹ سے آیا ہوں، پروگرام کچھ اتنا جلدی میں بن گیا کہ کسی کو آنے کی اطلاع تک نہ دے پایا، گھر پر بھی سب لوگ جیسے پریشان سے ہوگئے، ممی پاپا اور ریشماں کسی کو بھی یقین نہ آیا کہ میں انکے سامنے کھڑا ہوں، وہ بھی مجھے یوں تکنے لگے جیسے میں کوئی جیتا جاگتا جن کی شکل میں وارد ہوگیا ہوں" جلیل نے اسے تفصیل سنائی۔

"رخسار بیٹی کون آیا ہے۔؟" رسوئی گھر سے سعیدہ خاتون نے آواز دی تو اس نے رسوئی گھر کا رخ کیا، "امی جلیل آئے ہیں"

"کون جلیل۔ اپنا جلیل"۔؟ سعیدہ خاتون نے بھی غیر یقینی کیفیت میں سوال کیا، "اسلام وعلیکم خالہ جان۔!" جلیل نے بڑے ادب سے انھیں سلام کیا۔

وعلیکم السلام بیٹا۔جیتے رہو۔لمبی عمر پاؤ۔!اللہ تمھیں دین و دنیا میں اعلی مقام عطا کرے کب آئے۔بیٹے۔!"انھوں نے اسے دعاؤں سے نوازا۔

"کل رات آیا ہوں خالہ جان بس اچانک ہی پروگرام بن گیا اور چلا آیا۔سوچا کہ ہر ایک کو سرپرائز دوں۔!"

"چلو ٹھیک کیا جو چلے آئے،موئی باہر کی کمائی ہر ایک کو ایسا چسکا لگا ہے کہ صورت تک دیکھنے کو ترس رہے ہیں ہم لوگ،سب خیر خیریت تو ہے نا بیٹا،سنا ہے سعودی حکومت اب آہستہ آہستہ باہر والوں کو واپس بھیج رہی ہے۔!"

"ہاں خالہ جان۔آپ لوگوں نے ٹھیک ہی سنا ہے،جو باہر کے لوگ اونچے عہدوں پر کام کر رہے ہیں اب سعودی حکومت چاہتی ہے کہ ان پر مقامی لوگ کام کریں اور آہستہ آہستہ باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو واپس بھیجا جارہا ہے اور ان کی جگہ مقامی حضرات لے رہے ہیں۔ویسے وہ لوگ بھی اب ناخواندہ نہیں رہے،وہ لوگ بھی اب اعلی تعلیم حاصل کر کے وطن لوٹ رہے ہیں اور کام کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں،ویسے اللہ تعالی کے فضل وکرم سے میرا پوزیشن کمپنی میں بہت اچھا ہے،چار سال بعد پہلی بار چھٹی لی ہے"۔جلیل نے تفصیلی طور پر وہاں کے حالات سے انھیں آگاہی دی۔

اللہ مبارک کرے تمھیں اور اعلی مقام عطا کرے،یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ تم بہت اچھی پوزیشن پر کام کر رہے ہو،ارے بیٹی رخسار کیا یوں ہی باتیں ہوتی رہیں گی،کچھ ناشتہ پانی کا خیال بھی کروگی یا اسے یوں ہی کھڑا رکھوگی،!"سعیدہ خاتون نے رخسار کو آواز دی۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ یہ پڑھ لکھ کر اتنی بداخلاق ہو جائیگی،دیکھا خالہ جان آپ نے،مجھے آئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہو رہا ہے لیکن اس نے مجھے بیٹھنے کو تک نہیں پوچھا،کیا یہاں تعلیم حاصل کر کے لڑکیاں گنوار ہوجاتی ہیں۔!"جلیل کی رگ شرارت پھڑکی

اور مسکراہٹ انکے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔ اے مسٹر آتے ہی شروع ہو گئے ۔اپنی یہ اکڑ جاکر سعودی عرب میں دکھاؤ۔یہاں پر جناب کی دال گلنے والی نہیں سمجھے کچھ۔ رخسار کہاں چپ رہنے والی تھی۔ پھر اسنے بھی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا "چلو بہت ہو چکا۔اب اندر بھی کھسکو نجانے کب کے بھوکے ہو کچھ دال روٹی دے ہی دونگی"

ارے ارے یہ کیا بیٹی۔ یہ گھر آئے مہمان سے کیا کوئی اسطرح بھی پیش آتا ہے یہ تو سراسر بدتمیزی کہلائے گی۔سعیدہ خاتون نے رخسار کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ رسوئی گھر چلی گئی۔

گرم گرم قیمہ پراٹھے اور کھچڑی پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد رخسار کے ہاتھوں کی بنی ذائقہ دار چائے پی کر جلیل جب لوٹنے لگے تو جاتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے رخسار کی چوٹی کھینچی اور کہا "بڑی بی شام میں گھر آنا مت بھولنا میں تمہارا انتظار کرونگا۔

رخسار نے ناشتے کے برتن سمیٹے اور دسترخوان جھٹک کر رکھ دیا۔ پھر اپنے کمرے میں چلی آئی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ جلیل کا خوبرو پیکر اسکی نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگا۔وہ ابھی کچھ دیر قبل ہی اسکے پاس سے گیا تھا۔وہ گیا تو تھا لیکن کچھ میٹھی کچھ کڑوی یادیں چھوڑ گیا تھا اور وہ ان میٹھی کڑوی یادوں میں کھوتی جارہی تھی۔

اے چپکلی یہاں خالہ جان کے ساتھ کیوں چپکی بیٹھی ہو۔چلو باہر چھپا چھپی کھیلتے ہیں جلیل جو کہ عمر کی چودھویں سیڑھی پر قدم رکھنے جارہا تھا۔رخسار کو چھیڑتے ہوئے کہنے لگا۔اے گورے بندر یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ۔میں نہیں کھیلتی بندروں کے ساتھ سمجھے۔!" کیسے نہیں کھیلتی ہو۔میں بھی دیکھتا ہوں۔!" جلیل نے اسکے دراز بالوں کی موٹی موٹی چوٹی کھینچی چلتی ہو کہ نہیں۔!

"چلتی ہوں بابا چلتی ہوں۔پہلے میری چوٹی تو چھوڑو۔وہ بلبلانے لگی۔پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ کھیل میں مشغول تھے۔

یہ تھا انکا بچپن ، جلیل اور رخسار خالہ زاد بھائی بہن تھے ،سعیدہ خاتون بڑی تھیں اور ثمینہ خاتون چھوٹی ۔دونوں کی شادیاں دو سال کے وقفے سے ہوئی تھیں ۔ انھیں خاندان ہی میں بیاہا گیا تھا ، یہ لوگ آپس میں بڑی محبت اور خلوص سے رہتے تھے ، جلیل کے ابو رفیع الدین صاحب محکمہ مال میں اچھے عہدے پر فائز تھے اور رخسی کے بابا شکیل صاحب محکمہ تعمیرات میں انجینئر تھے یہ دونوں ہی ایمانداری کے معاملے میں ایک ہی اصول پر کاربند تھے سارے محکمہ میں مشہور تھے اونچے عہدیداروں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔

رخسار سے چھوٹی ایک بہن اور دو بھائی تھے جلیل کی بھی ایک چھوٹی بہن ریشما تھی جو کافی نٹ کھٹ قسم کی تھی ، یہ دونوں بڑے لاڈو پیار سے پلے بڑے تھے ، جلیل کے مزاج میں سنجیدگی کے ساتھ ہلکی سی شرارت بھی رچی ہوئی تھی اور جب کبھی انکا شرارت کا موڈ ہوتا وہ سیدھے اپنی خالہ کے گھر آتے اور رخسی کو تنگ کرتے ۔ان کی چھیڑ چھاڑ بڑی پیاری ہوتی ۔ان دونوں کی عمروں میں صرف تین سال کا فرق تھا ،ساتھ ساتھ بڑے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ ہی کھیلے کودے تھے ،دونوں کی عمریں ابھی اس قابل نہ تھیں جبکہ جذبہ محبت وچاہت نمودار ہوتا ہے ،لیکن ایسا ضرور تھا کہ وہ دونوں اگر ایک دو دن نہ مل پاتے تو ضرور کمی محسوس کرتے ۔

طائر وقت بھی کہیں رکا ہے ،وہ اپنے پر پھیلائے برسوں کے افق پر محو پرواز تھا ،کل کے کمسن بچے آج جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے ،والدین پکی عمروں کو پہنچ گئے تھے اب جلیل کالج سے نکل کر یونیورسٹی پہنچ گئے تھے اور پوسٹ گریجویشن کر رہے تھے ،رخسار بھی گریجویشن کے آخری سال کی طالبہ تھی بچپن کا وہ تیکھا مزاج اب سنجیدگی میں تبدیل ہوگیا تھا ،وہ دونوں ہی کافی سنجیدہ طبیعت کے مالک ہوگئے تھے ،لیکن کبھی کبھی جلیل کی رگ شرارت جب پھڑکتی تو وہ پھر چودہ برس عمر والے جلیل بن جاتے ، ایسے وقت بھی رخسار کو اپنے لئے ان سے بچائے رکھنا مشکل ہوجاتا ،ان دونوں میں اب وہ

جذبہ بھی پیدا ہونے لگا تھا جسے زمانہ محبت اور چاہت کا نام دیتا ہے۔ لیکن دونوں ہی نے کبھی اظہار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور بس اپنی آنکھوں کو ترسیلِ محبت کا ذریعہ بنایا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں دل کی باتیں کرتے اور سمجھتے۔

تعلیم ختم کر کے جلیل نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں ملازمتوں کے دروازے ہر طرف بند ہی بند ہیں تو انہوں نے خلیجی ممالک کا رخ کرنے کی ٹھانی۔ تھوڑی سی کوشش ہی ثمر آور ثابت ہوئی اور بہت جلد انکا انتخاب ایک بہت اچھی امریکن کمپنی کے لیئے ہوگیا۔ انکے جانے کے تمام مراحل یکے بعد دیگرے طے ہوتے گئے اور پھر وہ دن بھی آگیا کہ انھیں سب کچھ چھوڑ کر اور اپنوں سے بچھڑ کر پرواز کرنا تھا۔ جانے سے ایک دن قبل انہوں نے رخسار سے ملاقات کی۔ تب اپنے جذبہ محبت کا اس سے اظہار کیا اور کہا کہ وہ اسکا انتظار کرے گی۔ وہ کہیں بھی رہیں رخسار ہی ان کی منزل ہے۔ انکی بات سن کر رخسار کی پلکوں میں ستارے ٹمٹمانے لگے۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی۔ اس نے اپنی جبیں انکے کاندھے پر رکھدی اور آنسو ضبط کا باندھ توڑ کر بہنے لگے انہوں نے اسے سمجھایا اور کہا کہ یہ وقتی دوری ہے۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد وہ لوٹ کر اسے اپنا بنالیں گے۔ انہوں نے اسکے رخسار پر ڈھلک آئے ان شبنمی قطروں کو اپنے رومال میں جذب کیا اور کہا "رخسار یہ آنسو نہیں بلکہ میری محبت کے انمول موتی ہیں جسے میں اپنے رومال میں محفوظ کئے جارہا ہوں۔ یہ رومال ہر وقت مجھے ہماری اس ملاقات کی یاد دلاتا رہیگا۔ رخسی تمھیں دیکھے بغیر میں وہاں کیسے رہ پاؤنگا۔ میں نہیں جانتا مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔ خدا حافظ۔!"

جلیل جب اس سے بچھڑ کر جانے لگے تو رخسار کو یوں لگا جیسے اسکے سینے میں دل نہیں رہا۔ جلیل جیسے اپنے ساتھ لئے جارہے ہوں۔ وہ تڑپ اٹھی اور ایک بار پھر اسکی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہونے لگے۔ اسکے خوبصورت نازک لب ہلے اور کہا "اللہ حافظ۔ وہ ضرور تمہیں میرے لئے بحفاظت واپس لے آئیگا۔ انشاللہ۔

جلیل کے جانے کے بعد رخسار کچھ دنوں تک بجھی بجھی سی رہی ایک عجیب سے خالی خالی پن کا احساس اسے ستائے رہتا ۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا اور آہستہ آہستہ زندگی کی گہما گہمی میں خود کو مشغول کرتی گئی ، وہ کالج پابندی سے جاتی رہی ، اسکی چھوٹی بہن اور بھائی بھی تعلیم میں بہت آگے جا رہے تھے ، اسکے ابو شکیل صاحب ایک نیک صفت اور نفس پر قابو رکھنے والے انسان تھے ان کی زندگی پر سکون گزر رہی تھی کہ اچانک ہی ایک بھونچال آگیا ، کہتے ہیں زندگی نشیب و فراز دھوپ چھاؤں اور حوادث کا نام ہے ، کب کیا ہونے والا ہے کوئی نہیں جانتا ، سعیدہ خاتون کے لیئے شکیل صاحب کی رفاقت تپتی ہوئی دھوپ میں کسی سایہ دار درخت کی مانند تھی ، انکی زندگی بڑے سکون اور راحت میں گزر رہی تھی کہ اچانک ہی انکی پرسکون زندگی میں مصائب آلام لیئے بھونچال آگیا ، انکے سارے خواب جو کہ انھوں نے اپنے رفیق زندگی کے ساتھ مل کر بنائے تھے آن واحد میں تنکوں کی مانند بکھرتے چلے گئے ۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے بھی بھلا کوئی کچھ کر سکتا ہے ۔ اچانک ہی انکے سروں سے شکیل صاحب کا سایہ اٹھ گیا اور اللہ نے انھیں رنج و الم کے بحر بیکراں میں ڈھکیل دیا ، یہ سانحہ ان کی زندگی کا عظیم سانحہ تھا وہ باوجود تحفہ عزم و حوصلہ رکھنے کے خود کو بے حد کمزور محسوس کرنے لگیں ، ٹوٹ سی گئیں ، شوہر کی ناگہانی جدائی نے انکی زندگی میں ایسا خلاء پیدا کر دیا تھا کہ پر ہونا ناممکن تھا ۔ لیکن رخسار ایک باہمت لڑکی تھی ، اس نے اپنی ماں سعیدہ خاتون کی ٹوٹتی ہمت کو سہارا دیا ۔ "امی جان مصائب کا دینے والا ہی مصائب کا دور کرنے والا ہے ۔ ہمیں ہمت سے حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے ، اپنے بندوں کیلیئے ستر ماؤں کی محبت رکھنے والا ہے ۔ وہ ضرور رحم کرے گا ہمیں اس ذات عالی سے مایوس نہ ہونا چاہیے ۔!"

"ہاں بیٹی ۔ تم ٹھیک کہتی ہو ، وہی ساری کائنات کا مالک ہے وہ رحمان ہے ، وہ رحیم ہے ، وہ ضرور ہمارے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرے گا ، ہمیں صبر ہمت واستقلال

سے کام لینا ہوگا۔"سعیدہ خاتون نے اپنی لخت جگر کو سینے سے بھینچتے ہوئے کہا اور اپنی ساڑی کے آنچل میں آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو جذب کیا۔

کہتے ہیں اللہ رب العزت بڑا بے نیاز ہے اپنے بندوں کیلئے جب ایک در بند کرتا ہے تو دس در کھول بھی دیتا ہے۔رخسار کی معمولی سی کوشش پر اسے اپنے مرحوم والد کی جگہ ملازمت مل گئی چونکہ آجکل ہر سرکاری محکمہ میں کمپیوٹر کا استعمال لازمی قرار دیا گیا ہے،رخسار جس نے گریجویشن کے ساتھ کمپیوٹر ٹکنالوجی میں ڈپلوما بھی حاصل کیا تھا اسے کمپوٹر پروگرامر کی پوسٹ پر ملازم رکھ لیا گیا اب ان کے معاشی مسائل اللہ تعالی نے حل کردیئے تھے،باپ کی کمی کسی حد تک پوری ہوگئی تھی، چھوٹے بھائی اور بہن کی تعلیم کسی رکاوٹ کے بغیر چلنے لگی تھی،رخسار نے سارے گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔سعیدہ خاتون اور رخسار دونوں ہی قابل تعریف تھیں کہ انہوں نے حالات کا بلند ہمتی سے مقابلہ کیا تھا اور اللہ تعالی کی آزمائیشوں پر پورا اتری تھیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انکی کشتی حیات منجدھار سے نکال کر بحفاظت ساحل کی جانب کردی تھی۔

انسانی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے،انسان جب ایک فکر سے آزاد ہوتا ہے تو کسی دوسری الجھن میں خود بخود گرفتار ہوجاتا ہے،یہی حال سعیدہ خاتون کا تھا،فکر معاش جب دور ہوئی تو ایک دوسری فکر نے انھیں آگھیرا،جیسے جیسے رخسار اپنی عمر کے زینے طے کرنے لگی انکی فکر میں اضافہ ہونے لگا،وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد اسکے ہاتھ پیلے کردیں۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال انھیں پریشان کئے رہتا کہ اسکی شادی کے بعد اس گھر کی ضرورتوں کا کیا ہوگا،پھر یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرنے کی سعی کرتیں کہ اللہ بڑا کارساز ہے کوئی نہ کوئی حل تو بہر حال نکل ہی آئیگا،رخسار کی مرضی اسکی چاہتوں سے لاعلم سعیدہ خاتون نے اپنے ملنے جلنے والیوں اور دو ایک مشاطاؤں سے بھی کہہ رکھا کہ کوئی معقول رشتہ رخسار کے لئے تلاش کریں۔اور پھر انہوں نے اپنے طور پر اسکی شادی کی تیاری بھی شروع کردی۔

رخسار جب ماں کی فکر سے واقف ہوئی اور اسے یہ پتہ چلا کہ مختلف ذریعوں سے اس کیلئے رشتہ ڈھونڈا جارہا ہے تو وہ پریشان ہو گئی۔ وہ دل ہی دل میں خوف کھانے لگی کہ اگر اس کی شادی کہیں اور طے پا گئی تو وہ جلیل کو کیا جواب دے گی۔ ان سے کئے ہوئے وعدوں کا کیا ہو گا۔ کیا وہ انکی نگاہوں سے گر نہیں جائے گی، کیا سوچیں گے وہ اس کے متعلق اس پر لعنت بھیجیں گے کہ وعدے تو بہت کئے تھے لیکن وفا نہ کر سکی، بے وفائی کا بدنما داغ اس کی پاک جبیں پر لگ جائے گا۔ ان ہی سوچوں نے اس کے بدن میں جھرجھری سی پیدا کر دی پھر سر بسجود ہو کر مالک دونوں جہاں کے آگے دست سوال دراز کر گئی " یا اللہ تو ہی لاج رکھنے والا ہے تو ہی اپنے بندوں کی عزت و ناموس کا پاسبان ہے، اے اللہ میری لاج رکھ لے اور اس مسئلہ کو حل فرما۔!" وہ اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگنے لگی۔

رخسار کی پریشانیوں سے بے خبر سعیدہ خاتون اپنے کئے ہوئے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئیں، انھیں رخسار کی محبت اسکی پریشانیوں کا علم نہ تھا سوچ سوچ کر رخسار جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو اس نے جلیل کی بہن ریشماں سے مدد لینے کیلئے اسے بلا بھیجا۔ وہی اسکی دوست تھی، اسکی خوشیوں کی غموں کی ہمراز تھی، وہ جب آ گئی تو اسے لے کر رخسار اپنے کمرے میں چلی آئی۔

" کہو میری بنو کیا مسئلہ ہے تم کچھ بجھی بجھی سی کچھ پریشان پریشان سی لگ رہی ہو "ریشماں نے نرم نرم صوفہ پر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ریشو۔ جب سے مجھے پتہ چلا ہے کہ امی جان میرے لئے رشتہ تلاش کر رہی ہیں، میں بڑی الجھن میں مبتلا ہو گئی ہوں، ان سے براہ راست میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ میں اور جلیل ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور میں شادی کرونگی تو صرف جلیل سے ورنہ نہیں۔ رخسار نے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی۔

کیوں نہیں بھئی، جب تم بھیا سے محبت کرتی ہو اور تم دونوں نے ساتھ جینے

مرنے کی قسمیں کھائی ہیں تو تم میں اتنی ہمت تو ہونی ہی چاہیے کہ ان سے یہ سب کچھ کہہ سکو، کیا میں یہ سمجھوں کہ میری ہونے والی بھابھی اتنی بزدل ہے ۔! "ریشماں حسب عادت اسے تنگ کرنے پر اتر آئی۔

"میں تمہارا سر توڑ دونگی سمجھیں کچھ، میری یہاں جان نکلی جارہی ہے اور تم ہو کہ مذاق بنارہی ہو۔" اس نے ناراض ہوتے ہوئے کہا اور آنکھیں جھلمل جھلمل کرنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ریشماں اٹھی اور اسے خود سے قریب کرتے ہوئے کہنے لگی "ارے یار تم تو واقعی رونے لگیں، مجھے معاف کر دو، تم فکر مت کرو، میں کوئی نہ کوئی ترکیب نکال ہی لوں گی، میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں میرے بھیا سے کوئی نہیں چھین سکتا، تم صرف اور صرف میری بھابی بنوگی، انشاءاللہ۔!" ریشماں نے اسکے آنسو اپنی اوڑھنی کے دامن میں جذب کئے اور کہا "یہ آنچل ہی تو عورت کا غمگسار ہوتا ہے نجانے اس میں کتنے ہی آنسو سمائے رہتے ہیں یہ آنسو اور آنچل کا رشتہ اتنا اٹوٹ کیوں ہوتا ہے۔"

رخسار جب کچھ بحال ہوئی تو اس نے رسوئی گھر کا رخ کیا تاکہ ریشماں کیلئے کچھ چائے ناشتے کا بندوبست کرے، ادھر ریشماں سعیدہ خاتون سے مل کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی، چائے سے فراغت کے بعد جب ریشماں چلی گئی تو رخسار کو نجانے کیوں یک گونہ سکون کا احساس ہوا، اسے ریشماں پر بے حد اعتماد تھا اور یقین تھا کہ اسکی اس الجھن کا حل وہ ضرور ڈھونڈ نکالے گی، آج اسے ابو بہت یاد آنے لگے، وہ زندہ ہوتے تو اپنے دل کی بات ان سے بڑی آسانی سے منوالیتی کتنا چاہتے تھے وہ اسے، اسکی ہر ضد پوری کرتے، جو فرمائش وہ کرتی وہ چیز حاضر کر دیتے، وہ اکثر اسے خود سے قریب کرتے ہوئے سعیدہ خاتون سے کہتے "سعیدہ تم رخسار کو بیٹی نہ سمجھو یہ تو میرے لیئے بیٹا ہی ہے تم دیکھنا یہ ضرور ہمارے لیئے بیٹا ثابت ہوگی۔!" اور ان کی یہ بات واقعی سچ ثابت ہو گئی انہوں نے اس جہان فانی سے کوچ کیا اور رخسار کو اپنے ابو کی کہی بات سچ ثابت کرنی پڑی آج وہ سعیدہ خاتون کے لیئے کسی بیٹے سے کم نہ تھی، ابو کو یاد کر کے اسکی آنکھوں

میں نمی تیرنے لگی ۔ان ہی خیالوں میں غلطاں وہ ماضی کے افق پر محو پرواز تھی کہ سعیدہ خاتون کی آواز پر وہ چونک کر اٹھ بیٹھی وہ کہہ رہی تھیں "رخسار بیٹی کیا سو رہی ہو ، دن ڈھل رہا ہے چائے تو بنا دو "ابھی آئی امی ۔!" اس نے جواب دیا اور اپنی آنکھیں خشک کرکے رسوئی گھر کی جانب چل پڑی رخسار نے جلیل سے وعدہ تو نہیں کیا تھا کہ وہ آئے گی لیکن انکی ہر بات گویا اسکے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی ،وہ سوچنے لگی جائے یا نہ جائے ، بہت سوچنے کے بعد یہ طے کیا کہ چلی جائے ،شام ہوتے ہی اس نے سعیدہ خاتون سے اجازت لی اور اپنی خالہ کے گھر چلی آئی ، گھر میں بڑی گہما گہمی تھی اس نے اپنی خالہ ثمینہ خاتون کو سلام کیا تو وہ اسے دعائیں دیتی رہیں اس نے ریشماں کے بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا "وہ جلیل کے کمرے میں ہے تم خود بھی وہیں چلی جاؤ "۔

رخسار سیدھے جلیل کے کمرے میں چلی آئی جہاں ریشماں جلیل کے لائے ہوئے تحفہ تحائف اور مختلف سامان علیحدہ کرنے میں مصروف تھی رخسار کو یوں سیدھا کمرے میں آتے دیکھا تو بڑی بوڑھیوں کی طرح ٹھوڑی پر دائیں ہاتھ کی انگلی رکھتے ہوئے کہنے لگی "کیا زمانہ آگیا ہے موئی آج کل کی لڑکیوں کی تو شرم وحیا ہی غارت ہو گئی ہے ۔ دیکھو کس دیدہ دلیری سے ایک نامحرم شخص کے کمرے میں گھسی چلی آرہی ہے ۔" اسکے ہونٹوں پر شرارت مچل رہی تھی۔

رخسار یکلخت پریشان ہو گئی کہ کہیں ریشماں کی بات کوئی سن نہ لے اس نے بھی اسے ڈانٹا کیا بکے جارہی ہو ، کچھ تو بڑے چھوٹوں کا لحاظ کرو تمھیں پتہ ہے میں تمہاری بزرگ بننے جارہی ہوں ۔"

"کیا کہا میری بزرگ ۔ ارے پھوٹو ۔میں تمھیں گھانس ڈالنے والی نہیں ۔ارے ذرا کیا رحم کھا کر بھیا کو بلا لیا تو ہماری بنو کے تیور ہی بدل گئے ،کیسے اکڑ رہی ہے ۔" اس نے پھر چوٹ کی ،"کیا واقعی یہ تمہاری کارستانی ہے جو کہ جلیل اچانک ہی چلے آئے ۔ رخسار تعجب سے استفسار کرنے لگی۔

"پھر کیا کرتی ۔ تمھاری ان بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں تیرتے موتی جیسے آنسو بھی تو دیکھے نہیں جاتے نا مجھ سے ۔ تمھاری پریشانی دیکھ کر مجھے یہی ایک سوجھا کہ بھیا کو ہی بلالیا جائے کیونکہ وہی تمھاری الجھن اور مسئلہ کا واحد حل ہیں ۔چنانچہ فون پر میں نے تمھاری الجھنوں کے بارے میں سب کچھ بتادیا ۔ دیکھا رخسار بھیا تمھیں کتنا چاہتے ہیں ، فوراً کچے دھاگے سے بندھے چلے آئے ۔! "ریشماں نے تفصیل بتائی اور کہا "جاؤ اوپر ٹیرس پر وہ تمھارا ہی انتظار کر رہے ہیں ۔ تم جب تک وہاں رہو گی میں یہاں پہرہ دیتی رہونگی کہ کوئی اور اوپر نہ جانے پائے ۔"

رخسار دبے قدموں اوپر چلی گئی جہاں جلیل ٹیرس والے کمرے میں اسکے منتظر بیٹھے تھے ان دونوں میں بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں کیا باتیں ہوئیں یہ تو وہی دونوں جانتے تھے ،

دوسرے دن شام میں ثمینہ خاتون سرخ رنگ پر چاندی کے تاروں سے نقش کیئے گئے کشتی پوش سے ڈھکے تھال لیئے اچانک ہی اپنی بہن سعیدہ خاتون کے گھر چلی آئیں ، اس غیر متوقع آمد پر وہ پریشان ہو گئی لیکن مسکرا کر ان کا استقبال کیا اور پوچھ بیٹھیں ثمینہ یہ سب کچھ کیا ہے ۔

آپا بیگم آپ پریشان نہ ہو ۔ ابھی چند لمحوں بعد آپ جان جائیں گی کہ یہ سب کچھ کیا ہے ۔ پھر ریشماں کو حکم دیا کہ وہ رخسار کو تیار کر لائے اور اپنے ساتھ لایا ہوا سرخ جوڑا اسے تھما دیا ۔ رخسار کو سرخ جوڑے میں سجا سنوار کر لایا گیا تو سعیدہ خاتون اسے اس طرح دلہن کے روپ میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں ، انھیں یقین نہ ہو رہا تھا کہ یہ رخسار ہی ہے ان کی اپنی لخت جگر پھر سرخ نگ جڑے انگوٹھی کو رخسار کی دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنا کر ثمینہ خاتون نے جلیل کے لیئے اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا تو اچانک ہی خوشی کے احساس کے زیر اثر سعیدہ خاتون کی آنکھیں اشکبار اور جبیں سجدہ ریز ہو گئی تاکہ اپنے مالک حقیقی کے حضور شکرانہ ادا کر سکیں ۔

ثمینہ خاتون اور ریشماں جب لوٹ گئیں تو رخسار اپنے کمرے میں چلی آئی اسکی انگلی میں جلیل کی بھیجی ہوئی انگوٹھی جگمگا رہی تھی جس سے اسکی انمول محبت کی شعائیں پھوٹ پھوٹ کر اسکے دل کو منور کر رہی تھیں ۔ دفعتاً اسکا ہاتھ اٹھا اور تشکر اور محبت کے جذبے کے تحت اس نے اپنے گلابی ہونٹ انگوٹھی پر رکھ دیے اور دل ہی دل میں خود سے کہنے لگی ، " جلیل ہمارے پاک جذبوں نے بالآخر جیت ہی لیا اور ہمارے بیچ یہ فاصلے سمٹ کر رہ گئے ۔

(ماہنامہ مشرقی آنچل نئی دہلی)

فرق
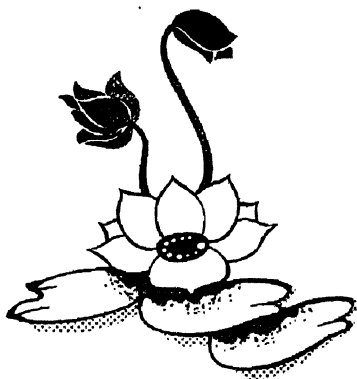
دونوں بہنوں کی عمروں میں صرف ڈیڑھ سال کا فرق تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ ثمینہ کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی شاہدہ کو دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ بڑی شاہدہ ہے۔ وہ تھی بھی بہت خوبصورت، بالکل صبح کا کھلا ہوا شگفتہ پھول، ثمینہ بھی پھول ہی تھی، لیکن ایسا پھول جو دن بھر دھوپ کی تپش سے مرجھا گیا ہو، اسی لئے ثمینہ کچھ احساس کمتری کا شکار بھی رہنے لگی تھی۔

دونوں بہنیں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں، ثمینہ سائنس میں گریجویشن کر رہی تھی، اس کا یہ آخری سال تھا، شاہدہ بی۔ اے کے دوسرے سال کے امتحان کی تیاری میں مصروف تھی، کالج میں فرصت کے لمحات میں سب لڑکیاں چمن کے ایک گوشہ پر قبضہ جمائے رہتیں، اور بات بڑھتے بڑھتے جب ثمینہ اور شاہدہ پر آرکتی تو اکثر لڑکیوں کا یہی خیال ہوتا کہ ثمینہ شاہدہ کی بہن ہرگز نہیں لگتی، کوئی لڑکی کہتی شاید شاہدہ کی کزن ہو، کوئی لڑکی فلسفیانہ انداز میں کہتی کہ کہاں شاہدہ اور کہاں وہ، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے شاہدہ نکھری ہوئی صبح کے ماتند ہے تو وہ ڈھلتی ہوئی شام، ایسے موقعوں پر جب ثمینہ کی سماعت سے اس قسم کے فقرے ٹکراتے تو اسے خود پر قابو نہ رہتا، بے اختیار اس کی آنکھیں جل تھل ہوجاتیں۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا ثمینہ نے بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ والدین نے اس کا رشتہ طے کردیا، ثمینہ کو دیکھنے کیلئے جب اس کی سسرال کے لوگ آئے تو سارا کام شاہدہ کو ہی کرنا پڑا، اس نے بڑے سلیقہ سے بہن کو سنوارا اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی، وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوگئی، اس لئے کہ ثمینہ کو پہلی ہی نظر میں پسند کرلیا گیا۔ اس پر شاہدہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، اسے ڈر

تھا کہ اگر ثمینہ ناپسند کی گئی تو اس کے احساسات پھر مجروح ہوں گے۔

آج جب دولہا بھائی کو دیکھنے کا دن آگیا تھا تو شاہدہ ایسی بے چین تھی کہ کسی پل قرار ہی نہ تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ دولہا بھائی چاند جیسے ہونے چاہئیں، اس نے بھی تصور میں خود اپنی زندگی کے ہم سفر کا خاکہ کھینچا تھا تو بھی اس کی یہی کوشش رہی تھی کہ وہ بہت خوب صورت ہو، بالکل پریوں کے دیس کا شہزادہ۔ اور آج جب ثمینہ کے دولہا کو بر دکھائی کیلئے بلایا گیا تو شاہدہ بے چینی سے سارے گھر میں اودھم مچاتی پھرتی رہی، اس نے ڈرائنگ روم کو سجا کر آئینہ بنا ڈالا۔ ایک کونے میں خوصورت میز سجا کر دو ایک خوش رنگ گلدستے سجادیے، قالین اور گاؤ تکیہ بچھا کر دولہا بھائی کے بیٹھنے کا انتظام کیا، دو ایک تازہ کیلنڈر دیوار پر آویزاں کر دیے جب وہ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ سے اچھی طرح مطمئن ہوگئی تو مہمانوں کی دعوت کا انتظام کرنے کیلئے اس نے باورچی خانے کا رخ کیا جب ساری تیاریاں ہوگئیں تو اس نے کچھ سکون کا سانس لیا اور مہمانوں کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگی۔

خدا خدا کر کے دولہا میاں اپنے چند عزیزوں کے ہمراہ تشریف لائے ناصر واقعی دیکھنے میں مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ شاہدہ نے پردے کی اوٹ سے جب اسے دیکھا تو اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ اٹکا۔ وہ خوشی میں جھومتی ہوئی ثمینہ سے جا لپٹی" واقعی باجی قسمت ہو تو تمہاری جیسی، ناصر بھائی اتنے اسمارٹ ہیں کہ تم ان کے پیروں کی دھول بھی نہیں۔ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی پھر کچھ سنبھلی تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ایک طرح سے اس نے اپنی باجی کا مذاق اڑایا ہے۔ خفت مٹانے کے لئے اس نے اپنی بانہیں ثمینہ کے گلے میں ڈال دیں، اور اس کی پیشانی کچھ اس انداز سے چوم لی کہ ثمینہ بڑی بہن ہوتے ہوئے بھی شرم سے سمٹ گئی اور اس نے مصنوعی غصے سے کہا" چل پگلی تجھے شرم آنی چاہیے اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے! لیکن دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی اور مستقبل کے سہانے خوابوں میں کھو گئی۔

ناصر تعلیم یافتہ نوجوان تھا اس نے سول انجینیرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا تھا اور اب پی۔ ڈبلیو۔ڈی میں سپروائزر تھا، تنخواہ معقول تھی۔اس لئے ثمینہ کے والد اسلم صاحب نے اس رشتہ کو قبول کرنے میں کوئی جھجک نہیں دکھائی۔پھر ایک مبارک دن منگنی کی رسم ادا کی گئی۔شادی کی تاریخ چھ ماہ بعد طے پائی۔

اسلم صاحب کا خیال تھا کہ کوئی اچھا رشتہ شاہدہ کیلئے بھی آجائے تو دونوں لڑکیوں کے فرض سے سبکدوش ہوکر دیار حبیب کا رخ کریں گے کیوں کہ دو لڑکیوں کی شادیوں کے بعد ان پر بس فرید کی ذمہ داری رہ جاتی تھی جو ابھی چھوٹا تھا۔اور دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔

ثمینہ کی منگنی ہوئے دو مہینے ہوچکے تھے شادی کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں اسی درمیان اسلم صاحب کے ایک دوست کی وساطت سے ایک رشتہ شاہدہ کیلئے بھی آیا۔لڑکا تعلیم یافتہ اور تجارت پیشہ تھا،صورت شکل معمولی سی تھی،لیکن نیک سیرت اور صحت مند تھا اسلم صاحب نے صورت پر سیرت کو ترجیح دی اور یہ رشتہ منظور کرلیا۔

شاہدہ نے اڑتی اڑتی یہ خبر ضرور سنی تھی کہ اس کے منگیتر کالے ہیں لیکن اسے یقین اس وقت ہوا جب منگنی کے دوسرے دن اس کی بے تکلف سہیلی نازو نے کہا "شاہدہ تیرے سارے خواب بکھر گئے۔سلیم ہرگز تیرے قابل نہیں تم دونوں کا کوئی میل ہی نہیں کھاتا۔میری رائے میں تو اس رشتہ سے صاف انکار کردے تو اس کے دل پر تیر سا لگا۔اسے ثمینہ پر رشک آنے لگا۔احساس مایوسی سے اس کی پلکیں نم ہوگئیں،مگر اب ہو بھی کیا سکتا تھا منگنی ہوچکی تھی اور اس کی طرف سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی،کیوں کہ جب اسلم صاحب نے اس کا عندیہ لیا تھا تو اس نے یہی سمجھ کر رضامندی دی تھی کہ ان کا انتخاب ناصر جیسا ہی ہوگا۔باپ کی عزت کی خاطر اسے یہ غم برداشت کرنا ہی پڑا،مشرقی لڑکی جو ٹھہری،لیکن وہ بے چین ضرور تھی کہ کاش ایک بار وہ سلیم کو دیکھ سکتی۔

ایک مبارک دن دونوں بہنوں کی شادی ہو گئی ۔ دوست احباب ، عزیز و اقارب ، محلے والے سب ہی نے شرکت کی اور اسلم صاحب کو مبارک باد دی ۔ دلہنوں کو وداع کیا گیا میراثنیں ڈھولک پر گیت گانے لگیں "چھوڑ بابل کا گھر آج پی کے نگر ، جانا پڑا ۔۔۔۔!"

ثمینہ سہانے خواب سجائے اپنی سسرال چلی گئی لیکن شاہدہ مایوس دل سے اپنی سسرال گئی ۔ اسے آج رات پہلی بار سلیم سے سامنا کرنا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ نہ جانے وہ کیسے ہوں گے ان کی صورت شکل ، رنگ ڈھنگ ، وہ برداشت بھی کر سکے گی یا نہیں چھوٹی موٹی رسموں کے بعد اسے حجرہ عروسی میں بٹھا دیا گیا ۔ اس نے گھونگھٹ کی اوٹ میں دیکھا ، کمرہ بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا ، سارے کمرے یں چنبیلی کی کلیوں کی بھینی بھینی خوشبو مہک رہی تھی سامنے ہی دیوار پر سلیم کی تصویر خوبصورت کشتی نما فریم میں مسکرا رہی تھی ۔ تصویر تھی تو خوبصورت لیکن اس کا دل مان نہیں رہا تھا ۔ وہ بے چینی سے سلیم کا انتظار کرنے لگی ۔

چند لمحے انتظار کی اذیت میں گزر گئے پھر دروازے پر آہٹ ہوئی اور سلیم شان بے نیازی سے کمرے میں داخل ہوا ۔ چونکہ نسوانی شرم وحیا مانع تھی ۔ اس لئے شاہدہ چاہتے ہوئے بھی گھونگھٹ ہٹا کر اسے نہ دیکھ سکی ۔ بلکہ اس نے گھونگھٹ کھینچ کر کچھ اور گرالیا سلیم آہستہ سے اس کے قریب آ بیٹھا ۔ پھر اس نے سرخ نگ جڑی انگوٹھی اس کی نازک انگلی میں پہنا دی اور دھیمی آواز میں کہا "حضور ، یہ چاند بادلوں میں کیوں چھپا ہوا ہے ، ذرا اپنا گھونگھٹ ہٹا کر ہمیں اپنے چاند کا دیدار تو کر لینے دو" ۔

وہ کچھ اور سمٹ گئی ۔ کچھ لمحے انتظار میں گزر گئے پھر سلیم نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا اور دوسرے ہی لمحہ سلیم کی زبان سے بے ساختہ نکلا "سبحان اللہ" لیکن شاہدہ کے دل پر جیسے کسی نے گھونسا مارا ہو ۔ وہ مضطرب ہو گئی ۔ کیوں کہ سلیم واقعی اس کے خوابوں کا شہزادہ نہ تھا ۔ وہ معمولی شکل و صورت کا تھا ، شاہدہ کو ایسا لگا جیسے اسکے سارے خواب بکھرے پڑے ہیں ۔ اور اس کی سہیلیاں اس کا مذاق

اڑا رہی ہیں۔ سلیم نے بہت سی میٹھی میٹھی باتیں کیں مستقبل کے سہانے سپنے دکھائے اور اسے بہت پیار کیا۔ لیکن وہ یہ سب کچھ بس برداشت کر گئی۔ اسے تو رہ رہ کر ثمینہ کا خیال آرہا تھا کہ وہ ناصر بھیا کو پاکر کتنی خوش ہوگی۔ اسے رہ رہ کر گھر کی یاد ستانے لگی۔

شادی کے کوئی ایک ہفتے بعد اسے میکہ جانا تھا وہ ایک ایک گھڑی ایک ایک لمحہ گن گن کر گزار رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد اپنے میکہ پہنچ کر ثمینہ کی خوشیوں کا اندازہ کرے گی۔ اس ایک ہفتہ میں سلیم نے اس پر سب کچھ نچھاور کردیا۔ لیکن اس کا کٹھور دل نہ پگھلا۔

خدا خدا کرکے ایک ہفتہ گزر گیا اور شاہدہ میکے جانے کے لئے تیار ہوگئی سلیم کچھ ضروری کام کی وجہ سے اس کے ہمراہ نہ جاسکا۔ اس لئے اسے اپنی چھوٹی نند کے ہمراہ جانا پڑا۔ وہ ایک طرح خوش بھی تھی کہ سلیم اس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ثمینہ باجی کے ساتھ ناصر بھیا ضرور ہوں گے اور ناصر بھیا کے مقابل سلیم کو دیکھ کر کوئی کچھ کہہ بیٹھا تو خواہ مخواہ اس کی سبکی ہوگی۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے جب وہ گھر پہنچی تو گھر میں خاموشی سی مسلط تھی۔ ہر طرف سوگواری کا عالم تھا۔ ہر فرد اپنی جگہ خاموش تھا جیسے گھر میں کوئی بہت بڑا حادثہ ہوگیا ہو۔

شاہدہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس نے ہر ایک سے استفسار کیا لیکن اسے خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ ملا پھر اس نے ثمینہ کے کمرے کا رخ کیا ثمینہ شاہدہ کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ابل پڑے اب بھی شاہدہ کچھ سمجھ نہ سکی۔ اس کے پوچھنے پر ثمینہ نے اسے بتایا کہ اسلم صاحب اس معاملہ میں دھوکا کھا گئے ہیں۔ ناصر ایک آوارہ شخص ہی نہیں شادی شدہ بھی ہیں اور یہ ان کی دوسری شادی تھی۔ شاہدہ ایک طرف تو حیرت کے سمندر میں غوطہ کھانے لگی اور دوسری طرف اپنی معصوم بہن کی بربادی پر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ ایسے وقت میں اسے سلیم بے اختیار یاد آگیا جس کے پیار کی اس نے قدر نہ کی تھی وہ خود کو

مجرم سمجھنے لگی ، اور سسرال واپس لوٹنے کیلئے بے تاب ہو گئی ۔ کیوں کہ گھر کا یہ گھٹا گھٹا ماحول اسے پریشان کرنے لگا تھا۔

دو دن میکے میں بے چینی سے گزار کر جب شاہدہ سسرال پہنچی تو سلیم ابھی ابھی کہیں باہر سے لوٹا تھا ، ساس اور سسر سے مل کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی ، سامنے ہی سلیم اس کا منتظر تھا ، وہ ایک ٹک اسے گھورنے لگی ، جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو ۔ آج سلیم اسے بے انتہا خوبصورت لگ رہا تھا ، اپنے خوابوں کے شہزادے سے بھی کہیں زیادہ وہ دوڑتی ہوئی بے خودی کے عالم میں سلیم کی بانہوں میں جھول گئی ، اس کے سینے سے لگی وہ سوچ رہی تھی کہ واقعی انسان کے چہرے میں اور کردار میں کتنا بڑا فرق ہوتا ہے ، اور پھر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

(ماہنامہ ، بانو ، نئی دہلی)

"نعمان ۔۔۔۔" میری صلاح مانو اور یہ آگ سے کھیلنا چھوڑ دو ۔ تم نہیں جانتے وہ لڑکی نہیں شعلہ ہے ۔ جس کی تپش سے کئی دل پگھل کر خاک نشیں ہو چکے ہیں ۔ آخر تمہیں یہ کیا سوجھی کہ تم نے دل بھی لگایا تو کس سے ۔ اس پتھر سے جس سے سوائے سر ٹکرانے اور زخمی ہونے کے اور کچھ حاصل نہیں ۔ میری مانو تو اپنی زندگی کو یوں گھن نہ لگاؤ ۔ اس سر پھری لڑکی سے باز ہی رہو تو سمجھو کہ خیریت ہے ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو اب تک کئی اور لڑکوں کا ہو چکا ہے ۔ "نعمان کے دوست فرید نے اسے صلاح دی ۔

کیا بکتے ہو یار ۔۔۔؟ تم تو نرے بزدل نکلے ۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ محبت کی نہیں جاتی ہے بلکہ ہو جاتی ہے ۔ کون کمبخت محبت کر رہا ہے ۔ تم نہیں جانتے فرید میں نے تو اس پہلی نگاہ میں ہی اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا ہے تم دیکھو گے کہ اگر میری محبت سچی اور پاک ہے اور جذبے پر خلوص و بے لوث ہیں تو وہ ضرور میری محبت کا جواب محبت سے دے گی ۔ آپ ہی آپ میری جانب بڑھے گی اور دوستی کا ہاتھ بڑھائے گی ۔۔۔ "نعمان نے ایک عزم سے کہا ۔ اگر تم ایسا محسوس کرتے ہو تو ٹھیک ہے ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں ۔ اللہ تعالی تمہیں کامیابی اور کامرانی عطا کرے ۔ میں تو اپنے سابقہ مشاہدات کی روشنی میں تمہیں باخبر کر رہا تھا ۔ کیونکہ تم میرے عزیز ترین دوست ہی نہیں خالہ زاد بھائی بھی ہو ۔ اور ایک بھائی ہمیشہ اپنے بھائی کی بھلائی ہی چاہتا ہے ۔ اسے غلط راستے پر جانے سے روکنے کی سعی کرتا ہے تو میں نے بھی وہی فرض نبھانے کی کوشش کی ہے ۔ لیکن تمہارے عزم مصمم کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ تم واقعی کچھ کر گزرو گے ۔۔۔۔ "فرید نے کہا ۔

"ہاں بھائی میرے ۔۔۔! میں چاہتا ہوں کہ شمع کو جو کہ شمع محفل بننے جارہی ہے اسے شمع خانہ بناؤں، میں نے یوں محسوس کیا ہے کہ وہ اندر سے بہت ٹوٹی ہوئی ہے اور کچھ ایسے حالات سے گزری ہے جنھوں نے اسے اس راہ پر لا کھڑا کیا ہے، اسے کوئی نہ کوئی صدمہ یا غم ضرور ہوا ہے، اسی کے زیر اثر وہ اپنا ردعمل یوں ظاہر کرتی ہوگی، میں نے عزم کیا ہے کہ اس کے دل میں جھانکوں گا اور یہ کھوج نکالونگا کہ اسے کیا غم ہے، کس چیز کا صدمہ ہے جو کہ وہ اندر ہی اندر بکھر رہی ہے، اور ہم مردوں سے بیزارگی کا اظہار جو کہ وہ کھلے عام کرتی نظر آتی ہے، کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی، جس نے اسے ہم مردوں سے نفرت کرنے پر مجبور کردیا ہے، ہوسکتا ہے کوئی ایسا حادثہ ہوا ہو جو اس کے ذہن سے چپٹ کر رہ گیا ہو، نعمان نے یوں کہا جیسے وہ ایک ماہر نفسیات ہو۔

"ہاں ممکن ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ہوسکتا ہے کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو جس کے صدمہ نے شمع کے ذہن پر اپنے منفی اثرات چھوڑے ہوں، جس کی وجہ سے اسے مردوں سے شدید نفرت ہوگئی ہو۔۔" فرید نے بھی اس کے خیال کی تائید کی۔۔

ہوا یوں کہ نعمان نے جب اپنے ایم۔اے میں داخلے کے بعد پہلے دن یونیورسٹی میں قدم رکھا اور آرٹس کالج کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کی نگاہ سامنے سے آتی ہوئی شمع پر پڑی جو کہ اپنے ایک ہاتھ میں کتابیں لیئے اور دوسرے میں گلابی ڈوپٹے کے آنچل کو مروڑتی ہوئی آرہی تھی۔ وہ دفعتہ رک گیا اور اس کی نگاہیں اس کے سراپے کا جائزہ لینے لگیں، واقعی وہ مشرقی حسن کا شاہکار لگ رہی تھی اونچا قد نکھری نکھری سی گلابی رنگت ریشم جیسے بال جو کہ اس کی پشت پر لہرا رہے تھے، ہلکا ہلکا سا تبسم اس کے خوبصورت نرم و نازک ہونٹوں پر مچل رہا تھا، نعمان کو یوں لگا جیسے اس نے اپنے ہوش کھو دیئے ہوں، لیکن اس نے پھر اپنے سارے حواس مجتمع کیے اور آگے بڑھتے ہوئے بے جھجک اس سے مخاطب ہوگیا:

"ہیلو مس ۔۔۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں ایم اے سال اول کی کلاسسن کس لکچر ہال میں چل رہی ہیں ۔۔۔؟"

نعمان کے اس طرز مخاطب پر وہ ششدر رہ گئی۔ کسی لڑکے میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اسے اس طرح مخاطب کرتا۔ وہ اسے تیز نظروں سے گھورتی ہوئی سوال کر بیٹھی: "جناب کی تعریف ۔۔۔ آپ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں یا خوبصورت لڑکیوں پر خواہ مخواہ ہی فدا ہونے ۔۔۔"

"مجھے نعمان احمد کہتے ہیں۔ ایم۔ اے اکنامکس میں داخلہ لیا ہے۔ اور آج پہلا دن ہے۔ آپ یقین کریں میں یہاں صرف اور صرف حصول تعلیم کی غرض سے آیا ہوں۔ آج یونیورسٹی میں میں نے اپنا پہلا قدم ہی رکھا ہے اور پہلی نگاہ بھی پڑتی تو آپ پر۔ یوں سمجھئے کہ واقعی میں آپ پر فدا ہو گیا ہوں۔ اب اگر یہ نظریں کسی اور لڑکی پر پڑجائیں تو اللہ کرے کہ اپنی بصارت ہی کھودیں ۔۔۔" نعمان نے کہا اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا کیوں کہ وہ خود میں اس شعلہ بار نگاہوں کی تاب لانے کی ہمت نہ پا رہا تھا۔

نعمان تو آگے بڑھ گیا تھا لیکن شمع کی تیز نگاہیں اس کا تعاقب تب تک کرتی رہیں جب تک کہ وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی گئی اور اس نے جیسے خود سے کہا: "مسٹر نعمان ۔۔۔! دیکھتی ہوں کہ تمہاری پرواز کہاں تک ہے۔ پر کٹے پنچھی کی طرح تمہارے پر بھی کاٹ ڈالے جائیں گے۔ پھر زمانہ دیکھے گا کہ تم کیسے اڑتے ہو۔!" یہ تھی ان کی پہلی ملاقات ۔۔۔

کالج کے بعد آج جب وہ گھر پہنچی تو نجانے کیوں نعمان کا سراپا اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ اس کا مضبوط کسرتی جسم، چوڑا چکلا سینہ کھلتے ہوئے رنگ پر ہلکی ہلکی تراشیدہ مونچھیں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ بہت ہی صاف ستھرا لباس اس نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ کالی پتلون پر نیلے رنگ کی دھاری دار بشرٹ میں وہ مردانہ وجاہت کا واقعی شاہکار لگ رہا تھا۔ اس سے مڈبھیڑ کے بعد جب وہ آگے بڑھ گیا تھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے بہت دور تک دیکھتی رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ آج وہ پہلی بار کسی لڑکے سے اس طرح متاثر ہوئی تھی۔ کسی لڑکے کے سحر میں اس طرح کھوئی تھی۔

کسی نے پہلی بار اسے مثبت انداز میں سوچنے پر مجبور کیا تھا، نجانے کیوں اس کے تصور میں بار بار نعمان کا سراپا چھانے لگا تھا، باوجود نفرت کے احساس کے وہ اس کے تصور سے پیچھا چھڑانے میں ناکام ہو رہی تھی، سعی مسلسل کے باوجود وہ ناکام رہی تھی اور نعمان کا مسکراتا ہوا چہرہ اسے چڑا رہا تھا، ایک آواز اس کے اندر کہیں سے گونج بن کر اس کے وجود کو جھنجوڑ رہی تھی۔

"بڑی مغرور بنتی تھیں نا تم، کہاں گیا تمہارا وہ سارا غرور تم نے تو ہر بار اپنی مخالف جنس کو اپنی ٹھوکروں میں رکھا تھا ہر ایک سے کھلواڑ کرتی رہی تھیں۔ لڑکوں کو اپنی جانب راغب کرتیں اور پھر انھیں ایسا دھتکارتیں کہ وہ کہیں کہ نہ رہ پاتے، پھر دل ہی دل میں ان کی بربادی پر خوش ہوتیں، اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر جشن مناتیں، لیکن آج تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ تم اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود کسی کو اپنے تصور سے بھی نہ جھٹک پا رہی ہو، یہ کیسا انقلاب بپا ہو گیا ہے تم میں کہ کسی نے پہلی ہی ملاقات میں تمہیں غرور کی بلند چوٹی سے اس طرح پھینکا کہ زمین پر تم چاروں خانے چت گر پڑیں، کہاں گئے وہ تمہارے بلند بانگ دعوے، کہاں گئیں وہ تمہاری قسمیں جو تم نے اپنے دوستوں سے کھائی تھیں اور کہا تھا کہ تمہیں مرد ذات سے بیر ہے، دشمنی ہے نفرت ہے، ازل سے ابد تک تم ان سے نفرت کرتی رہو گی۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ تم ایک معمولی لڑکے کے آگے جھک گئی ہو، تمہارا وہ مغرور وجود ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا ہو بکھرنے لگا ہو، شمع یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔۔۔؟

"ہوں ۔۔۔!" اس نے ہنکارا بھرا ۔۔۔ شمع کبھی کسی کے آگے جھکی ہے جو اس معمولی سے لڑکے کے آگے جھک جائے گی ۔۔۔" اس نے جیسے خود سے کہا اور اپنے ذہن سے چپکے ہوئے نعمان کے وجود کو جیسے ایک ہی جھٹکے میں نکال پھینکا ہو، پھر وہ اپنے کمرہ میں چلی آئی، کتابیں میز پر رکھ کر بستر پر دراز ہو کر سستانے لگی، ابھی اسے لیٹے ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ننھی ندا جو اس کی جان تھی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے گول مٹول چہرے کو مٹکاتے ہوئے کہنے لگی۔

پھوپھی جان ۔۔! آپ کو ممی بلا رہی ہیں ۔! جلدی چلئے ۔۔۔۔!" پھر اس نے اپنی ننھی بانہیں اس کے گلے میں حمائل کر دیئے ۔۔

ندا بیٹی ۔۔۔ تم چلو میں ابھی کپڑے بدل کر آتی ہوں ۔اس نے ننھی ندا کے نرم نرم گالوں پر پیار کر کے اسے واپس بھیجا اور خود کپڑے تبدیل کرنے لگی ۔۔۔

کہئے بھابی جان ! کیا حکم ہے بندی حاضر ہے "اس نے باہر آکر بھابی جان سے کہا ۔۔۔

"کچھ نہیں شمع ۔۔۔ میری طبیعت کچھ مضمحل سی ہے سوچا کہ گرم گرم چائے کیوں نہ پی لی جائے ،تمہارا کیا خیال ہے ،دو پیالی چائے بنا لاؤ ۔۔ بھابی نے کہا ۔

"بہت نیک خیال ہے ،ابھی بنا کر لاتی ہوں ۔۔!" کہتی ہوئی وہ باورچی خانے کی جانب چلی گئی ،تھوڑی دیر بعد وہ چائے کی ٹرے لیئے حاضر ہو گئی ،پیالیوں سے گرم گرم بھانپ اٹھ رہی تھی ،دونوں نند بھاوج چائے پینے لگیں ،چائے سپ کرتے ہوئے رعنا بھابی نے پوچھا ۔

"کہو شمع ۔۔ تمہاری تعلیم کیسی چل رہی ہے ،یہ تمہارا آخری سال ہے ،تمہاری ضد کے آگے تمہارے بھیا نے تمہیں ایم ۔اے کرنے کی اجازت دی تھی ،ورنہ ہمارا خیال تھا کہ تمہاری شادی کر دیں ،اب تم ایم ۔اے کی تکمیل کر لو تو پھر تمہاری شادی کے بارے میں سوچیں گے ۔"

"بھابی جان ۔۔۔! یہ آپ دونوں ہر وقت میری شادی کے بارے میں کیوں سوچا کرتے ہیں ،جب کہ میں نے آپ لوگوں سے کہہ دیا کہ میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ،اور جب کبھی ہو گا تو میں آپ کو بتا دوں گی ۔شمع نے بہت ہی معجزانہ انداز میں کہا :

"لیکن بنو ۔۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو اور ہر لڑکی کو ایک نہ ایک دن بابل کا گھر چھوڑ اپنے پیا کا دیس بسانا ہی پڑتا ہے ،یہی رواج ہے یہی ہمارا معاشرہ ، ہمارا سماجی اصول وضابطہ ہے جس سے انحراف کوئی نہیں کر سکتا ۔ میری پیاری نند جی تمہیں بھی ایک نہ ایک دن اپنے پیا کے دیس جانا ہی ہو گا ، تم تو شمع ہو ،کیا تم یہ نہیں

الرحیم سے ،اور لڑکوں کو شعر پڑھنا تھا حرف "م" سے :

لڑکوں کے گروپ سے آصف اقبال نے کھڑے ہو کر شعر پڑھا :

مجھ کو غم حالات کی تصویر سمجھنا

اس خط کو میری آخری تحریر سمجھنا

اب باری تھی لڑکیوں کے گروپ کی ،انھیں "الف" سے شعر پڑھنا تھا کچھ لمحے یوں ہی بیت گئے پھر شمع اپنی نشست سے اٹھی اور شعر پڑھنا شروع کیا :

آج لکھنی ہے غم دل کی حکایت صابر

بجھ گئی شمع تو زخموں کے اجالے ہی سہی

اس شعر پر سامعین نے دل کھول کر داد دی سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا ۔اب لڑکوں کو "یے" سے شعر پڑھنا تھا ۔اس بار نعمان اٹھا اور شعر پڑھنے لگا کہ :

یاد رکھو تو دل کے پاس ہیں ہم

بھول جاؤ تو فاصلے ہیں بہت

نعمان کے اس شعر پر بھی خوب داد ملی ،ایک بار پھر تالیوں کا شور ہو رہا تھا ۔اب لڑکیوں کے گروپ کو حرف "ت" سے شعر پڑھنا تھا ۔اس بار چند لمحے یوں ہی بیت گئے ۔ لگتا تھا اس حرف سے شروع ہونے والا کوئی شعر لڑکیوں کو یاد نہ آرہا تھا ۔دفعتاً پھر شمع اٹھی اور شعر کا پہلا مصرعہ پڑھنا شروع کیا :

تری نگاہ نے کیا کہہ دیا خدا جانے

مصرعہ اولیٰ اس نے دو تین بار پڑھا لیکن وہ شعر مکمل نہیں کر پا رہی تھی ۔غالباً مصرعہ ثانی وہ بھول گئی تھی پھر جج نے گھنٹی بجادی جس کا مطلب تھا کہ اب لڑکوں کے گروپ کو شعر مکمل کرنے کا موقع دیا جاتا ہے ۔اسی وقت نعمان پھر اپنی نشست سے اٹھا اور اس شعر کو یوں مکمل کر دیا کہ :

تری نگاہ نے کیا کہہ دیا خدا جانے

بجائے شمع مرے پاس آئے پروانے

چاہو گی کہ اپنے پیا کی اندھیر نگری کو اپنی محبت کی روشنی سے جگمگاہٹ عطا ہو ۔۔۔" رعنا بھابی نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔۔

"بھابی جان ۔۔۔! ایک بات صاف صاف بتائیں ۔ کیا میں آپ لوگوں پر اتنی بوجھ بن گئی ہوں کہ آپ لوگ ہر پل ہر لمحہ میری شادی کے بارے میں ہی سوچا کرتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو یقیناً آپ لوگ اسی بوجھ کو جلد از جلد اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا ۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ جب تک میں نہ چاہوں اس بارے میں سوچیے گا بھی نہیں " اتنا کہتے کہتے اس کی پلکوں پر شبنمی ستارے جھلملانے لگے ۔ اس کی آواز بھی بھیگ چلی تھی ۔ دفعتاً اس کے تصور میں اس کی مرحوم ماں کا وہ سہما سہما وجود ابھرنے لگا جو اس کے ابو کے جبر و تشدد کا ہر وقت نشانہ بنتی رہتی تھیں اور ہر بار خاموشی سے ان کے ہر ظلم سہا کرتی تھیں ۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنی چہیتی بھابی کی گود میں معصوم بچی کی طرح سر رکھے بلک پڑی :

" نہیں بھابی جان نہیں ۔۔ مجھے کبھی شادی نہیں کرنی ہے ۔۔ آپ لوگ مجھے مجبور نہ کریں ۔ " " ارے ارے ۔۔ شمع تم تو رونے لگیں ہم نے سنا ہے کہ تم تو ایک بہادر قسم کی لڑکی ہو ۔ یہ تم کمزور و بزدلوں کی طرح آنسو بہانے لگ گئیں ۔ اچھا بابا ٹھیک ہے اگر تم شادی نہیں کرنا چاہتیں تو نہ سہی ۔ تمہاری جب مرضی ہو گی بتا دینا مگر اب اچھے بچوں کی طرح خاموش ہو جاؤ ۔ " رعنا بھابی اس کے نرم و گداز بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھا کرتی ہوئیں اسے سمجھانے لگیں پھر اسے اٹھا کر اپنے ہمراہ واش بیسن تک لے آئیں اور کہا :

"منہ ہاتھ دھو لو ، شام کا کھانا ہم دونوں مل کر بنائیں گے آج تمہاری پسند کی ڈش بنے گی ۔۔ " بھابی نے کہا تو وہ آہستہ آہستہ منہ ہاتھ دھونے لگی ۔

آج یونیورسٹی میں بیت بازی کا مقابلہ تھا ۔ یہ مقابلہ سال اول اور سال آخر کے طلباء و طالبات کے درمیان ہو رہا تھا ۔ دونوں گروپس لکچر ہال میں جمع تھے ۔ جج کے فرائض ہیڈ آف دی اردو ڈیپارٹمنٹ فاروقی صاحب اور پروفیسر ثمینہ یزدانی انجام دے رہے تھے ۔ مقابلہ کا آغاز ہوا اور لڑکیوں کے گروپ سے سعیدہ نے شروعات کی بسم اللہ الرحمن

جیسے ہی نعمان نے گرہ لگائی، سارا ہال پھر ایک بار تالیوں اور قہقہوں کی ملی جلی آواز سے گونج اٹھا۔ لڑکوں کے گروپس ونس مور ونس مور کی فرمائش کرنے لگے اور لڑکیاں کھسیانی سی ہو کر ایک دوسرے کے چہرے تکنے لگیں:

اسی طرح یہ مقابلہ چلتا رہا۔ لڑکوں کے گروپ کے پوائنٹس آہستہ آہستہ بڑھنے لگے، آخر کار لڑکوں کے گروپ کو فاتح قرار دیا گیا۔ آج ایک بار پھر نعمان نے اسے مات دے دی تھی اور وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی ساتھی لڑکیوں کے ساتھ چہرہ لٹکائے ہال سے باہر نکل رہی تھی.....

"انیل کچھ سنا تم نے ...؟" ساجد نے انیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، وہ چاروں یونیورسٹی کینٹین کی ایک میز پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے، انیل، ساجد، کشور اور واصف چائے پیتے ہوئے گفتگو میں منہمک تھے...

"کیا سنا بھائی ساجد ...؟ صاف صاف کہونا یار بات کیا ہے ....؟" انیل سگریٹ جلاتے ہوئے پوچھنے لگا...

"ارے یار وہی چہکتی بلبل، ان دنوں کچھ خاموش خاموش سی رہنے لگی ہے، لگتا ہے کسی نے اس پتھر دل کو بالآخر پگھلا ہی دیا..." ساجد نے پھر پہیلی میں بات کی۔

"کس بلبل کی بات کر رہے ہو یار...؟ کہیں تم شمع کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے ہو...؟" انیل نے سگریٹ کا دھواں فضا میں اچھالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں یار وہی شمع جس نے ہم پروانوں کو باری باری جلا کر راکھ کر ڈالا، اور اب لگتا ہے کسی نے اس شمع کو بالآخر موم کے سینے میں دھاگہ بن کر جلنے پر مجبور کر دیا ہے، کسی نے اپنی محبت سے اسے تسخیر کر ہی لیا ہے..." ساجد نے کہا تو کشور درمیان ہی میں بول اٹھا:

"نہیں یار ایسا ہو ہی نہیں سکتا، وہ ایک انتہائی مغرور اور بد تمیز لڑکی ہے، کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ اس گھمنڈی کو ایسا سبق سکھاؤں کہ ساری عمر روتے گزر جائے۔ تم سب دیکھنا ایک نہ ایک دن میں ضرور اس کا سارا غرور خاک میں ملا دوں گا..." وہ

اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر میز پر مارتے ہوئے کہنے لگا۔

وہ چاروں اسی سے متعلق گفتگو میں مصروف تھے کہ دفعتاً لڑکیوں کا ایک گروپ کینٹین میں داخل ہوا۔

صدف شیلا، شمع اور شوبھا کینٹین میں داخل ہوئیں۔ غالباً شمع کی شامت ہی نے ان لڑکیوں کے ہمراہ وہاں کینٹین میں آنے پر مجبور کیا تھا، ان چاروں نے جیسے ہی ایک خالی میز کی جانب بڑھنا چاہا، کشور بول پڑا:

یہ شمع آج اِدھر کیسے جل اُٹھی، بہت تڑپا دیا ہے تم نے ہمیں لیکن یاد رکھنا ایک دن تم بھی مرغ بسمل کی طرح تڑپو گی، ہمیں وقت کا انتظار ہے سمجھیں تم۔۔۔" وہ ابھی اپنی بات ختم نہ کر پایا تھا کہ ایک گرجدار آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"لیکن مسٹر کشور۔۔۔ مجھے وقت کا قطعی انتظار نہیں اگر بھلائی چاہتے ہو تو محترمہ شمع۔۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔۔!"

یہ آواز کسی اور کی نہیں نعمان کی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے دوست فرید اور شارق بھی تھے۔ پھر نعمان آگے بڑھا اور کہنے لگا۔

"لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز سیکھو مسٹر۔۔" ابھی نعمان نے اپنی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ وہ چاروں اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کنٹین کے باہر چلے گئے۔ جاتے جاتے کشور نے کہا۔

"مسٹر نعمان۔۔۔! تم نے ہم سے ٹکرا کر اچھا نہیں کیا، بہت پچھتاؤ گے۔۔۔"

تب نعمان نے ان چاروں لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا ان آوارہ لڑکوں کے منہ نہ لگئے۔ آیندہ سے احتیاط برتتے گا۔۔۔ پھر وہ اور اس کے دوست کینٹین سے باہر چلے گئے، شمع اور اس کی ساتھی لڑکیاں دم بخود انھیں جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔ پھر وہ چاروں بھی وہاں سے چلی آئیں۔ صدف نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "اگر نعمان وہاں نہ آتے تو نجانے آج کیا ہو جاتا، فرشتہ بن کر عین وقت پر آپہنچے میری تو جان ہی نکلی جا رہی تھی۔۔۔"

"ہاں صدف تم ٹھیک کہہ رہی ہو "شیلا اور شوبھا نے ایک آواز ہو کر کہا تو شمع بھی ان کی رائے سے اختلاف نہ کر سکی، پھر کچھ لمحے سوچتی رہی اور کہا " نجانے انھیں کیسے پتہ چلا کہ ہم لوگ کینٹین میں ہیں اور ان چار آوارہ لڑکوں کے بیچ پھنسنے جا رہی ہیں "تم نے سنا نہیں شمع کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے تم چاہے کتنا ہی انکار کرتی رہا کرو لیکن ہم جانتے ہیں کہ تمہارے دل میں نعمان صاحب کیلئے نرم گوشے بنتے جا رہے ہیں۔ بالآخر انہوں نے تمہیں تسخیر کر ہی لیا۔ ان کی محبت کی گرمی سے تم آہستہ آہستہ موم کی طرح ضرور پگھلتی جا رہی ہو ۔۔۔" صدف نے شمع کو چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ سوائے خاموشی کے کوئی اور رد عمل ظاہر نہ کر سکی لیکن اس کے خوب صورت ہونٹوں پر دل نواز تبسم پھیلتا چلا گیا۔۔۔

پھر ہوا یوں کہ نعمان مسلسل کئی دنوں تک یونیورسٹی سے غیر حاضر رہا، اس کی غیر حاضری کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کسی کو معلوم نہ ہو سکا، عجیب و غریب قسم کے وسوسے شمع کو گھیرے رہے، اس کے ذہن میں ایک خیال یہ بھی آنے لگا کہ کہیں کشور اور اس کے ساتھیوں نے مل کر ان سے کینٹین والے واقعہ کا بدلہ نہ لے لیا ہو، اس خیال کے آتے ہی وہ بے چین ہو جاتی، اس کی نگاہیں ہر روز متلاشی رہتیں لیکن وہ کہیں نظر نہ آتا۔ اپنی اس دلی کیفیت کا اظہار جب اس نے صدف سے کیا تو وہ کہنے لگی، تم یہیں ٹھہرو میں ابھی پتہ کیے دیتی ہوں۔۔" پھر وہ شعبہ اکنامکس کی جانب بڑھتی چلی گئی، اور لکچر ہال تک پہنچی ہی تھی کہ ہال سے باہر آتے ہوئے فرید سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی، اس نے اسے سلام کیا تو فرید جواب دیتا ہوا سوال کر بیٹھا" کہئے کیسے یاد آ گئی ہماری۔۔۔؟"

" دراصل بہت دنوں سے نعمان صاحب نظر نہیں آئے تو سوچا کہ آپ سے ان کی خیریت دریافت کر لوں۔۔۔ "صدف نے کہا۔۔

"آپ لوگ کیسے اس بات سے لاعلم رہ گئیں۔۔ وہ بے چارہ بیمار پڑ گیا ہے فلو ہو گیا تھا اسے، بہت تیز بخار تھا اسے میں کل شام ہی مل آیا ہوں اس سے، ویسے اب بخار تو نارمل ہو گیا ہے، لیکن کمزوری بہت ہو گئی ہے، ڈاکٹر نے اسے کم از کم دو ہفتے آرام لینے کی ہدایت کی ہے "فرید نے نعمان کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا۔

"ہم لوگ واقعی لاعلم رہیں ان دنوں ، آپ سے بھی ملاقات نہ ہو سکی ، خیر ۔۔۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں ان کے گھر کا ایڈریس دیجئے گا ۔۔ "صدف نے پوچھا تو فرید اسے نعمان کے گھر کا پتہ سمجھانے لگا ، پھر وہ اس کا شکریہ ادا کر کے چلی آئی شمع کو وہ جہاں چھوڑ گئی تھی اسے وہیں اپنا منتظر پایا تو وہاں آکر اس نے نعمان کی بیماری کے بارے میں اسے آگاہ کیا اور پھر اسے یہ بھی بتایا کہ وہ اس کے گھر کا پتہ فرید سے معلوم کر کے آرہی ہے ۔ پھر ان دونوں نے طے کیا کہ کلاسز ختم ہونے پر وہ دونوں آج شام نعمان کے گھر ان کی مزاج پرسی کو ضرور جائیں گی ۔

کلاسیز ختم ہونے پر شمع اور صدف دونوں نے آٹو رکشا پکڑا اور سیدھا بشیر باغ چلی آئیں ، جب آٹو رکشا نعمان کے گھر کے آگے رکا تو گیٹ پر ٹھہرے باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر انھیں سلام کیا اور باادب ہو کر پوچھا "بی بی صاحبہ کس سے ملنا ہے آپ لوگوں کو ۔۔۔۔؟"

"ہم دونوں یونیورسٹی سے آرہی ہیں ، نعمان صاحب سے کہو کہ صدف اور شمع ان سے ملنا چاہتی ہیں ۔۔۔ "ان کے اتنا کہتے ہی وہ گیٹ کھول کر انھیں اندر آنے کیلئے کہہ کر خود صدر دروازے سے اندر داخل ہو گیا ، کچھ لمحے انھیں انتظار کرنا پڑا پھر وہ واپس لوٹ آیا اور ان دونوں کو اپنے ہمراہ ڈرائنگ روم تک لے گیا ، انھیں وہاں بٹھا کر خود واپس باہر چلا گیا ۔ صدف اور شمع دونوں خوبصورت صوفہ پر بیٹھیں ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہی تھیں ۔ مکان کیا تھا پرانی طرز پر تعمیر شدہ خوبصورت کوٹھی تھی ، لیکن متواتر دیکھ بھال کے باعث کسی بھی نو تعمیر شدہ عمارت سے کم نہ تھی ، اندرونی دیواروں پر خوبصورت بیل بوٹے بنائے گئے تھے جنھیں وال پینٹ سے مزین کیا گیا تھا ۔ ڈرائنگ روم میں دلکش سینیری آویزاں تھی اور ایک کونے میں خوش رنگ پھولوں سے سجا گلدستہ کرسٹل ٹیبل پر سجا ہوا تھا ۔۔۔۔

ڈرائنگ روم کی سجاوٹ ہی سے مکینوں کے ذوق اور نفاست پسندی کا اندازہ کیا جا سکتا تھا ۔ وہ دونوں ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہی تھیں کہ دفعتاً ایک درمیانہ عمر

کی خاتون داخل ہوئیں ۔ان کے آتے ہی وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں اور باادب ہوکر انھیں سلام کیا۔

"جیتی رہو ،لمبی عمر پاؤ ..." انھوں نے جواب میں انھیں دعاؤں سے نوازا ۔ پھر کہنے لگیں "تم دونوں اپنا اپنا تعارف دو مجھے ...؟

"جی آنٹی ..یہ شمع ہے اور میں صدف ریاض ہم دونوں بھی ایم ۔اے کر رہی ہیں ۔ نعمان صاحب سے ایک سال آگے ہیں ۔اور ان کی بہت اچھی دوست بھی "اس درمیان شمع خاموش بیٹھی ان کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی جس پر نور ہی نور پھیلا ہوا تھا محبت اور شفقت ان کی آنکھوں سے جھلکتی جا رہی تھی۔

"شمع بیٹی .. تم خاموش کیوں ہو ؟ ذرا تفصیلی طور پر مجھے بتاؤ کہ کہاں رہتی ہو ۔ تمہارے والدین کون ہیں کیا کرتے ہیں ؟ گھر میں اور کون کون رہتا ہے ...؟" پھر کچھ دیر رک کر کہا "میں نعمان کی ماں ہوں ،وہ ابھی نیچے آتا ہی ہو گا ،دراصل بخار نے اسے بے حد کمزور کر دیا ہے ،بہت تیز بخار رہا تھا اسے ..." نعمان کی امی رضیہ خاتون انھیں بتانے لگیں:

"میں عابد حسین اور صالحہ بیگم کی بیٹی ہوں ۔ مجھ سے بڑی ایک بہن ہیں نائلہ باجی ۔جن کی شادی ہو چکی ہے ۔بڑے بھائی زاہد حسین ہیں جو کہ یہاں حیدر آباد اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی میں آفیسر ہیں ۔ان کی بھی شادی ہو چکی ہے امی کا انتقال ہو گیا ہے اور ابو ہم سے علیحدہ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ بنگلور میں رہتے ہیں میں بھیا اور بھابی کے زیر سرپرستی میں رہتی ہوں ..." شمع نے تفصیلی طور پر اپنا تعارف دے ڈالا...

"اور تمہاری ننھیال ....؟" انھوں نے سوالیہ انداز میں کہا پھر کسی سوچ میں گم ہو گئیں، پھر خود ہی کہنے لگیں ۔ "کہیں تم عائشہ خانم اور ذاکر چچا کی نواسی تو نہیں ہو جو ریڈ ہلز میں رہتے ہیں اور اپنے وقت کے مشہور استاد رہ چکے ہیں ...؟"

"ہاں آنٹی ... آپ درست فرما رہی ہیں ،میں ان ہی کی نواسی ہوں ،نانا حضرت تو نہیں رہے لیکن نانی جان ابھی بقید حیات ہیں ۔لیکن آپ انھیں کیسے جانتی ہیں ..؟"

شمع نے جیسے ہی کہا وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنی دونوں بانہیں پھیلادیں اور کہا " شمع بیٹی۔ تم اتنی دور کیوں بیٹھی ہو، آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تم تو میری سب سے پیاری دوست صالحہ مرحومہ کی لخت جگر ہو۔۔" اتنا سنتے ہی شمع اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سینے سے جالگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔۔

"بڑی بدنصیب تھی وہ۔ ساری عمر مرمر کر جیا اس نے گویا زندگی سے جنگ لڑتی رہی، بالاخر بازی ہار دی اور اپنی جان دے ہی دی۔۔۔" رضیہ خاتون نے کہا اور اپنی آنکھوں کی نمی خشک کرنے لگیں۔۔

"ہاں آنٹی۔۔۔ بہت دکھ جھیلے تھے امی نے کبھی سکھ کی سانس نہ لے سکیں۔ ساری عمر آنسو ہی بہاتی رہیں، میں نے جب سے ہوش سنبھالا انھیں ہنستا ہوا کبھی نہ دیکھا" آنسوؤں کی لڑیوں کے بیچ وہ انھیں بتانے لگی۔

"بس کرو بیٹی۔۔ صبر کرو، میں تمہاری ماں کی زندگی سے بہت اچھی طرح واقف ہوں، ہم دونوں ہم جماعت تھیں، ہماری شادی بھی تقریبا ایک ساتھ ہی ہوئی تھی، چند ہی دنوں کے فرق سے، پھر وہ تمہارے ابو کے ساتھ حیدرآباد سے باہر کہیں چلی گئیں، اس کے بعد ہماری ملاقات نہ ہوسکی، لیکن میری دوسری ساتھیوں کے زبانی اس کے حالات مجھے معلوم ہوتے رہے۔۔۔" رضیہ خاتون انھیں بتانے لگیں۔ نعمان جب داخل ہوا تو وہ اسے بٹھا کر خود اندر چلی گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی اب۔ ہمیں آج ہی فرید صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ فلو کا شکار ہوگئے تھے۔۔۔" صدف نے پوچھا۔ شمع خاموش بیٹھی نعمان کو دیکھے جارہی تھی جو کچھ کمزور کمزور سالگ رہا تھا۔۔ چہرے سے نقاہت ٹپک رہی تھی۔۔۔

"بخار تو خیر اللہ کے فضل وکرم سے نارمل ہوگیا ہے لیکن کمزوری محسوس کررہا ہوں، سارا جسم ٹوٹنے لگا تھا، ایک آدھ ہفتہ بعد ہی غالباً یونیورسٹی آنے کے قابل ہوسکوں گا۔۔۔" نعمان نے کہا۔

"سنا ہے ڈاکٹر نے دو ہفتہ کا آرام تجویز کیا ہے" اس بار شمع بولی

"آپ کی حالت خود بتا رہی ہے کہ آپ کو زیادہ آرام کی ضرورت ہے میں تو یہی کہوں گی کہ مکمل صحت جب تک نہ ہوجائے آپ یونیورسٹی آنے کے بارے میں سوچئے گا بھی نہیں۔" شمع نے اپنائیت بھرے لہجے میں زور دے کر کہا۔۔

"ٹھیک ہے آپ کے اس مخلصانہ مشورہ پر ضرور عمل کروں گا۔ پھر آپ دونوں نے یہاں میرے گھر تک آکر میری مزاج پرسی کی ہے۔ اپنے پیار، اپنے خلوص اور اپنائیت کا مظاہرہ جو کیا ہے اس کیلئے میں آپ دونوں کا مشکور ہوں۔۔" نعمان نے مسکراتے ہوئے کہا تو شمع فوراً بول پڑی۔

"اس میں شکریہ ادا کرنے والی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا فرض تھا جو کہ ہم نے نبھانے کی ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے۔۔۔"

"اور پھر شمع آپ کی غیر حاضری سے پریشان اور متفکر بھی تھی، عجیب وغریب وسوسے اسے گھیرے ہوئے تھے۔۔۔" صدف معنی خیز مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجا کر ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا واقعی۔۔۔۔ یہ میں اپنے لیے خوشیوں کی سوغات سمجھوں گا۔۔۔!" نعمان نے سوالیہ نگاہیں شمع پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا تو ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ شمع کے چہرے پر پھیلتی چلی گئی۔

رضیہ خاتون اپنے ہمراہ ملازمہ بوا کو لیے جو کہ چائے کی کشتی اور لوازمات تھامے ہوئی تھیں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ ملازمہ بوا جب تمام چیزیں میز پر سجا کر چلی گئیں تو رضیہ خاتون نے صدف اور شمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لو بیٹی تم لوگ شروع کرو، مجھے تو ان سب چیزوں کا پرہیز ہے، شکر کی مریضہ جو ہوں، نعمان بیٹا تم بھی کچھ لو۔۔" انھوں نے ان دونوں کو تاکید کرتے ہوئے ہر چیز چکھنے پر مجبور کیا پھر وہ نعمان سے مخاطب ہوئیں۔

"تم شاید اس بات سے ناواقف ہوں گے کہ شمع میری بہت ہی عزیز سہیلی صالحہ مرحومہ کی نشانی ہے، میں نے جب شمع کو دیکھا تو بے اختیار مجھے صالحہ یاد آگئی، اپنے

سارے تیکھے نقوش اپنی بیٹی میں چھوڑ گئی وہ ۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہوا تھا کہ ہماری شادیوں کے بعد ہم کبھی مل نہ سکیں اور آج جب شمع کو دیکھا تو یک بیک صالحہ کا خوبصورت چہرہ میری نگاہوں کے آگے رقص کرنے لگا ۔" نعمان نے سنا تو خوشی اور انبساط کی ایک لہر سی اس کے چہرے پر دوڑ گئی وہ اپنی ماں سے کہنے لگا ۔

" امی ۔۔ چلئے کچھ نہ کچھ شناسائی تو نکل ہی آئی میں پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ کبھی ان لڑکیوں کو آپ سے ملانے گھر پر مدعو کروں گا لیکن اچانک بخار نے آگھیرا اور یہ خود ہی چلی آئیں ۔ مجھے یقین تھا کہ آپ ان سے مل کر ضرور خوش ہوں گی ۔

دراصل رضیہ خاتون کو اللہ تعالیٰ نے بیٹی نہیں دی تھی ۔ انھیں تین اولادیں تھیں اور تینوں ہی بیٹے تھے ۔ سب سے بڑا نعمان ہی تھا ۔ اس سے چھوٹے دو بھائی اور تھے ۔ اس سے چھوٹا عدنان گریجویشن کے پہلے سال میں تھا اور سب سے چھوٹا ریحان تھا جو کہ انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا ۔ اس کے ابو کے بے حد معقول کاروبار تھے ۔ آبائی جائداد کوٹھی کی شکل میں شہر میں تھی اور شہر سے دور مضافاتی علاقے میں پھلوں کا ایک باغ تھا اور کئی ایکڑ پر زراعت بھی ہوتی تھی ۔ شہر میں بھی کافی پھیلے ہوئے مختلف کاروبار تھے ۔۔

رضیہ خاتون جب بھی کسی لڑکی کو دیکھتیں تو کسی زخم سے رستے ہوئے درد کی طرح ان کے احساسات جاگ پڑتے اور بیٹی نہ ہونے کا غم اجاگر ہونے لگتا تو وہ ساری محبتیں اس لڑکی پر نچھاور کر دیتیں لیکن پھر بھی تشنگی باقی رہ جاتی ۔ نعمان اپنی ماں کے احساسات سے بخوبی واقف تھا اسی لیئے جب بھی موقع ملتا اپنی ماں کی اس تشنگی کو مٹانے کی کوشش کرتا ۔۔

جب صدف اور شمع چائے سے فارغ ہوگئیں تو رضیہ خاتون اور نعمان سے اجازت لے کر لوٹنے لگیں ۔ لوٹتے ہوئے شمع نے ایک اچٹتی نگاہ نعمان پر ڈالی تو اسے بھی اپنی جانب ہی دیکھتا ہوا پایا ۔ اس نے دھیرے سے کہا ۔

" جب تک مکمل صحت نہ ہوجائے یونیورسٹی مت آیئے گا ۔۔"

" جی ۔۔۔ جیسے آپ کا حکم ۔۔۔" اس نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا ۔۔۔" ویسے

آپ، سے التماس بھی ہے کہ اس ناچیز کیلئے دعا ضرور فرمایئے گا۔۔ “نعمان نے کہا تو وہ شرمائی ہوئی آگے بڑھ گئی۔اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم رقص کرنے لگا تھا۔۔

دو ہفتے گزر گئے یہ پندرہ دن شمع نے بے کیفی کے عالم میں گزارے ۔وہ ہر روز یونیورسٹی جاتی ، کلاسسس میں شریک رہتی ۔اپنی دوستوں صدف ،شیلا اور شوبھا سے ملتی ۔ وہ لوگ کبھی لائبریری جاتیں ، کبھی کینٹین اور کبھی ٹینی کائٹ اور کبھی بیڈمنٹن کھیلتیں لیکن شمع کا دل کہیں بھی نہ لگتا ، عجیب طرح کی اضطرابی کیفیت سے ان دنوں وہ دوچار تھی ۔جب وہ خالی الذہن ہوتی تو اچانک ہی نعمان کا سراپا اس کے تصور میں آدھمکتا اور وہ بے چین ہوجاتی ۔اپنی اس اضطرابی کیفیت اور بے چینی کو وہ کوئی عنوان نہ دے پارہی تھی۔۔۔

اس کے دل نے بارہا اسے آگاہی دی تھی کہ پگلی اِسی کا نام محبت ہے ، کوئی تیرے دل میں انجانے ہی میں غیر محسوس طریقے سے آبسا ہے ، کسی کی محبت اور چاہت کا جذبہ تجھ میں دھیرے دھیرے پنپ رہا ہے اور تو اس جذبے سے واقف نہیں ہے ، تو شاید اس کسک سے پہلی بار دوچار ہوئی ہے ،تیری یہ بے چینی تیرا یہ اضطراب ، کسی کا بار بار تیرے تصورات پر چھا جانا ،تیری نگاہیں کسی کی منتظر رہنا ،ہر دھڑکتے دل پر کسی اپنے کا گمان ہونا ، اسی کو تو محبت کہتے ہیں ، شمع تو اب پوری طرح نعمان کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے ۔۔“

لیکن وہ چونکہ ضدی طبیعت کی مالک تھی اس لیے یہ ماننے سے صاف انکار کر رہی تھی اور اپنی ہٹ پر قائم تھی کہ وہ کسی مرد سے محبت کر ہی نہیں سکتی ، تب اس کے اندر ایک آواز گونج بن کر گھنٹیاں سی بجانے لگتی تو پھر تیری اس کیفیت کو کیا کہا جائے ، کیا عنوان دیا جائے “ تب وہ بے بس ہوجاتی اور چاروں سمت دیکھنے لگ جاتی اس سے جواب نہ بن پڑتا۔

پندرہ بیس دن غیر حاضری کے بعد آج نعمان یونیورسٹی آیا تھا ،جیسے ہی آج کے لکچرس ختم ہوئے وہ ہال سے باہر چلا آیا اور ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا ۔ اس کی نگاہیں شمع کی متلاشی تھیں اس کا حسین چہرہ ، دلنواز پیکر اس کے تصورات کے آئینے میں رقص

کتناں تھا لیکن یہاں اسے کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا، بالآخر اس کی متلاشی نگاہوں کی تلاش ختم ہوئی اور وہ بہار کے جھونکے کی طرح، اس کی مخالف سمت سے آتی ہوئی دکھائی پڑی، اس کے ساتھ اس کی عزیز سہیلی صدف بھی تھی، وہ وہیں رک کر ان دونوں کا انتظار کرنے لگا، "اسلام علیکم۔۔ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" وہ دونوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "اللہ تعالی کے فضل و کرم اور آپ مخلصین کی دعاؤں کے طفیل میں اب مکمل صحت یاب ہو چکا ہوں، کمزوری بھی دور ہو گئی ہے، آپ لوگ کہئے کیا حال چال ہیں، سب خیریت تو ہے نا۔" نعمان نے کہا۔

"شمع"۔ تم میرا یہیں انتظار کرو میں ذرا لائبریری سے۔ ایک کتاب لے کر ابھی آتی ہوں" صدف نے کہا اور لائبریری کی جانب چلی گئی، دراصل وہ چاہتی تھی کہ ان دونوں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دے، کتاب لینا تو محض اک بہانا تھا، شمع سمجھ گئی تھی اور دل ہی دل میں صدف پر ناراض بھی ہونے لگی تھی، دراصل وہ نعمان سے دور رہنا چاہ رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ مبادا اس کے جذبے اس پر غالب نہ آجائیں اور وہ اس کے آگے پسپا نہ ہو جائے، وہ گم سم سی اپنی آنکھیں جھکائے برآمدے میں ستون کا سہارا لیے کھڑی تھی اور نعمان اس کا جائزہ لے رہا تھا، وہ آج ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ شلوار اور اسی رنگ کے کامدانی ڈوپٹے میں، بڑی جچ رہی تھی، تیل سے بے نیاز سوکھے ریشمی بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے، جب بالوں کی چند لٹیں ہوا کے جھونکوں پر اس کے کھلتے ہوئے چہرے پر لہرانے لگتیں تو اس کا حسن کچھ اور نکھر جاتا، نعمان اس کے دلنواز حسن کی رعنائیوں میں کھوتا جا رہا تھا، پھر اس نے یک بیک خود کو ہوش کی دنیا میں لے آیا اور اسے مخاطب کرنے لگا۔

"شمع۔! اگر آپ برا نہ مانیں تو کل شام کچھ وقت مجھے دے سکتی ہیں، کچھ اہم گفتگو کرنی ہے آپ سے" وہ بھی نجانے سوچوں کے کس سمندر میں غرق تھی۔ جب نعمان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو چونک پڑی اور پوچھا "کچھ کہا آپ نے مجھ سے؟" نعمان نے اپنی درخواست دوبارہ پیش کی تو وہ تذبذب کے عالم میں پڑ گئی، پھر کہا۔

"ایسی کون سی بات ہے جو آپ یہاں نہیں کہہ سکتے ...؟"

"بس یوں سمجھئے کہ بات ہی کچھ ایسی ہے کہ اسے کہنے کے لیے یونیورسٹی کا یہ ماحول سوٹ نہیں کرتا"۔ اگر آپ کو مجھ پر اعتماد ہے تو میری درخواست پر غور کیجئے گا...

"نعمان دبے دبے لہجے میں کہا تو وہ کچھ دیر سوچتی رہی اور کہا۔ "ٹھیک ہے کل شام چار بجے کے بعد ہم ملیں گے۔ آپ مجھے بتادیں کہ کہاں ملاقات ہوگی..." پھر نعمان نے اسے ملاقات کا مقام بتا دیا۔ اتنے میں صدف لائبریری سے اپنی مطلوبہ کتاب لے کر آگئی تھی۔ پھر انھوں نے ایک دوسرے پر الوداعی نظریں ڈالیں اور اپنی اپنی راہ لی...

آج کی شام بہت دلفریب ہوگئی تھی۔ دن بھر کی تپتی ہوئی دھوپ کے بعد شام میں نیلے آسمان پر جابجا سرمئی بادلوں نے اپنے شامیانے تان لیے تھے۔ ہواؤں میں رچی خنکی آس پاس میں ہوئی بارش کا پتہ دے رہی تھی، شمع حسب وعدہ ٹھیک چار بجے اندرا پارک کے میں گیٹ پر پہنچ گئی تھی، جہاں نعمان اپنی آنکھیں بچھائے اس کا منتظر تھا، پھر وہ دونوں اندرا پارک کے ایک ایسے گوشے میں جا بیٹھے جہاں آس پاس میں کوئی نہ تھا۔ شمع جہاں بیٹھی تھی اس کے قریب ہی خوش رنگ پھولوں سے لدا تختہ تھا، جس سے بھینی بھینی خوشبو مہک رہی تھی۔ نعمان اس سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے تنے کا سہارا لیئے بیٹھ گیا۔ دونوں ہی خاموش تھے، یوں لگ رہا تھا جیسے نعمان اپنی بات شروع کرنے کیلئے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہا ہو۔ شمع کبھی خلاؤں میں دیکھتی اور کبھی اپنی اچٹتی ہوئی نگاہ نعمان کے چہرے پر مرکوز کر دیتی تو نعمان کو سوچوں میں ڈوبا ہوا پاتی۔

لمحے آہستہ آہستہ سرکتے جارہے تھے، نعمان نے اپنی بات شروع نہ کی تھی، کافی انتظار کے بعد بھی جب نعمان خاموش ہی رہا تو شمع نے خود اسے مخاطب کیا:

"کہئے نعمان صاحب... آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے ...."

اس کے سوال پر نعمان چونکا اور کچھ دیر توقف کے بعد کہنے لگا، یہی کہ آپ مجھے بہت بھا گئی ہیں، میں نے آپ کو زندگی کے اس طویل سفر کیلئے اپنے ہم سفر کے طور پر

چن لیا ہے ۔ آپ کا ساتھ اگر نصیب ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی حسین رفاقت میں زندگی کا یہ طویل اور کٹھن سفر آرام سے گزر جائے گا ، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی مرضی معلوم کر کے ہی آپ کو پروپوز کروں ۔۔۔"

لیکن نعمان صاحب ۔ شاید آپ کو یہ جان کر افسوس ہو کہ میں ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی"، شمع نے سپاٹ لہجے میں کہا ۔

لیکن کیوں ۔۔ ؟ آپ یہ کیوں کر کہہ رہی ہیں کہ آپ شادی نہیں کرنا چاہتیں ، کیا آپ یہ بھول رہی ہیں کہ آپ لڑکی ہیں ، صنف نازک سے تعلق ہے آپ کا اور یہ کہ ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ساری عمر کوئی لڑکی کنواری رہ جائے آپ کیونکر سماجی اور معاشرتی نظام سے انحراف کر سکتی ہیں کیونکر انکار کر سکتی ہیں ۔ ؟"

"اس لیے کہ میں نے مرد کا ایک ایسا روپ دیکھا ہے جس نے مجھے مرد ذات سے نفرت کا سبق دیا ہے ایک ایسے ظالم شخص کی تصویر میرے ذہن پر چسپاں ہے جسے باوجود کوشش کے میں کھرچ نہیں پائی ۔ وہ ظالم شخص کوئی اور نہیں میرا باپ تھا ، جس کا خون میری رگوں میں دوڑ رہا ہے جس نے میری ماں کو تڑپا تڑپا کر ، ترسا ترسا کر مارا ہے وہ جب بھی گھر میں داخل ہوتا تو میں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوتی وہ شراب کے نشے میں دھت گھر میں داخل ہوتا تو میری امی بے بسی سے چاروں سمت دیکھنے لگتیں ، پھر وہ میری ماں کو مارنے پیٹنے لگتا اور وہ رقم حاصل کر لیتا جو کہ اس نے مشین چلا چلا کر کپڑے سی سی کر ہم تینوں بھائی بہنوں کی ضروریات کیلئے پس انداز کر رکھے تھے ، اور پھر وہ رقم جو کہ میری امی نے اپنے لہو کے ایک ایک قطرہ کا پسینہ بہا کر کمائی ہوئی تھی شراب کی نذر کر دیتا ، میری امی کب تک یہ ظلم سہتیں وہ بھی تو ایک صنف نازک تھیں ، بالآخر انھوں نے ہم بہن بھائیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے اپنی آنکھیں موند لیں ۔ ایک رات ایسا سوئیں کہ پھر اٹھ نہ سکیں ، اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں ۔ ہمارے باپ کو جب ان کی موت کی خبر ملی تو اس نے ایک بار بھی آ کر ہم یسیروں کا حال جاننے کی کوشش نہ کی ۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ انھوں نے دوسری شادی رچالی ہے اور اپنی بیوی کے ہمراہ بنگلور

چلے گئے ہیں۔۔" اتنا کہتے کہتے اس کی آواز بھر آگئی۔ اس کا سارا دکھ سارا غم آنکھوں کی راہ سے بہنے لگا۔ آنکھیں تھی کہ ساون برسا رہی تھیں۔

شمع کی اس حالت پر نعمان پریشان ہو اٹھا۔ وہ اس کے بہت قریب پہنچ کر اس کو سمجھانے لگا۔ اس کے آنسو اپنے رومال میں جذب کر کے اسے دلاسہ دینے لگا۔

مجھے یقین تھا شمع کہ ضرور تمہارے ذہن پر کوئی ایسا صدمہ ہے جس کے باعث تم اپنی جنس مخالف سے متنفر ہو چکی ہو، تبھی تمہارے مزاج میں مردوں سے نفرت کا جذبہ بھرا ہوا ہے۔ لیکن شمع تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہر مرد ایک سا ہوتا ہے۔ دراصل بچپن میں تم نے جو کچھ دیکھا تمہارے معصوم ذہن واحساسات نے اسے جوں کا توں قبول کر لیا اور ایک ظالم اور بدکردار مرد کی تصویر تمہارے معصوم ذہن سے چمٹ کر رہ گئی، جسے باوجود کوشش کے تم خود سے الگ نہیں کر پائیں، تمہارے اندر مرد ذات سے نفرت کا جذبہ پنپتا رہا اور ایک خوف سا تمہارے ذہن پر چھا گیا جس کے باعث تم یہ طے کرنے سے قاصر ہو کہ کون شخص شریف و باکردار ہے اور کون نہیں۔ لیکن اس میں تمہارا کوئی دوش نہیں ہے تمہارا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ تم نے جو کچھ دیکھا اسی کو سچ مان لیا۔ تمہارے معصوم ذہن پر اسی کے اثرات چھاتے گئے۔ لیکن شمع میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اپنی محبت اپنی چاہت، اپنے پیار اپنے خلوص اور اپنے سلوک سے تمہارے ذہن سے وہ سارے نقوش مٹا ڈالوں گا تاکہ تم ہم مردوں پر بھروسہ کرنے لگ جاؤ۔ تم انھیں ظالم و جابر نہ سمجھو بلکہ اپنا مسیحا جانو، اعتماد کے قابل جانو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے ذہن پر چھائے خوف و دہشت کے وہ سائے دور ہو جائے " نجانے نعمان کے لہجے کی تاثیر تھی یا پھر اس کی محبت کی تپش کہ وہ موم کہ گڑیا کی طرح دھیرے دھیرے پگھلتی چلی گئی اور نعمان کے عزم کے آگے جھک گئی۔

طائرِ وقت سانس لینے کیلئے بھی نہ رکتا ہے، اس نے اپنے پر پھیلائے اور برسوں کا سفر طے کر ڈالا، شمع نے ایم۔ اے کی تکمیل کر لی اور گھر بیٹھی رہی، نعمان نے ایم اے کی تکمیل کے بعد ایم بی اے میں داخلہ لے لیا، معاش کی فکر سے آزاد وہ تعلیمی زینے طے

کرنے لگا۔ اس درمیان وہ شمع کے اتنے قریب آگیا کہ وہ ہر پل، ہر لمحہ اسی کی یاد میں کھوئی رہنے لگی۔ اس کے ذہن پر چھائے خوف وہراس کے سایے اب مکمل طور پر دور ہو گئے تھے، اور شمع کے تصورات پر اب صرف اسی کا قبضہ تھا۔

کہتے ہیں انسانی خواہشات کی تکمیل صرف خالق کائنات کے ہاتھوں میں ہے، وہ جو مناسب خیال کرتا ہے وہی انسانی زندگی میں ہوتا ہے۔ شمع کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، جب اس کے دل میں مرد ذات سے نفرت کا جذبہ پنپ رہا تھا تب اللہ تعالیٰ نے نعمان کے ذریعہ اس جذبہ کو مٹا ڈالا اور جب کہ اس کا رواں رواں نعمان کی محبت میں ڈوبا تھا تو حالات بتا رہے تھے کہ وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔

اس کی زندگی میں بہاریں آتے آتے اچانک خزاؤں نے یلغار بول دیا تھا اس کی محبت کی ناؤ منجدھار میں ڈولنے لگی تھی۔ اس کی بھابی نے اسے بتایا کہ اس کے بھیا نے اس کا رشتہ اپنے ایک قریبی دوست کے کزن سے پکا کر دیا ہے، اور شادی اگلے ماہ طے پائی ہے، یہ سن کر اس کے سارے اوسان خطا ہو گئے، اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنے بھیا کی مرضی کے آگے اپنی مرضی چلاتی اس کے بھائی نے اپنی بیٹی کی طرح اس کی پرورش کی تھی، اس کی ضد کے آگے اسے ایم اے میں داخلہ دلایا تھا ورنہ وہ تو دو سال قبل ہی یہ چاہتے تھے کہ کسی اچھے گھرانے میں اس کی شادی کر دیں، لیکن رعنا بھابی کی وساطت سے اس نے اپنی مرضی اپنے بھائی تک بھیجی تھی اور ایم اے پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی تب ان کے بھیا نے اس شرط پر اسے اجازت دی تھی کہ ایم اے کے بعد وہ اس کی شادی اپنی مرضی سے طے کر دیں گے اسے کسی عذر یا اعتراض کی اجازت نہ دی جائے گی، تب اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ ایم اے کے بعد وہ جہاں چاہے اس کا رشتہ طے کر سکتے ہیں۔

اس طرح اسے دو سال کی چھوٹ مل گئی تھی، لیکن اب وہ کیا کرے، وہ سوچ میں ڈوب جاتی اس کا دل ڈوبنے لگتا، پلکوں کے کنارے بار بار بھیگنے لگتے، لیکن بھیا سے

بغاوت کرنے کی ہمت وہ خود میں نہ پاتی، وہ اندر ہی اندر ٹوٹنے لگی تھی۔

رعنا بھابھی شادی کی تیاریوں میں جٹ گئی تھیں انھیں اتنی بھی فرصت نہ تھی کہ وہ اس کا حال چال پوچھ لیتیں، ان کا تو ایک ایک لمحہ کسی قیمتی شے کی طرح ہو گیا تھا، وقت کم تھا اور کام بے شمار کہیں کپڑوں کی شاپنگ ہو رہی ہے تو کہیں فرنیچر کا آرڈر دیا جا رہا ہے، صبح بازار کے لیے نکل پڑتیں تو شام میں ہی تھک تھکا کر گھر لوٹتیں، جو کچھ بنائی یا کڑھائی کا کام ہوتا تو رعنا بھابی اسے سونپتی ہوی کہتیں۔

"شمع ۔۔۔ یہ میز پوش پر پھول بوٹے بنا دو میں ذرا بازار ہو آتی ہوں، درزی کو کپڑے دے آؤں تو ایک اور ذمہ داری پوری ہو جائے گی ۔۔۔"

وہ اپنے اُمڈ آئے ہوئے آنسوؤں کو پیتی ہوئی کہتی: جی اچھا بھابی جان ۔۔۔" وہ جب اس کی بھیگی بھیگی آواز پر کچھ نوٹس بھی لیتیں تو اسے سمجھانے لگ جاتیں۔

"اس طرح افسردہ نہیں رہتے شمع، ہر لڑکی کو والدین کا گھر کبھی نہ کبھی چھوڑنا ہی پڑتا ہے، اس کا اصل گھر تو سسرال ہی ہوتا ہے، اور پھر تمہارے بھیا نے تمہارے لیے بہت خوب رو، ہینڈسم دولہا پسند کیا ہے، تم دیکھو گی تو اپنی قسمت پر خود ہی رشک کرنے لگو گی ۔۔۔" رعنا بھابی اس کے دکھ کو اپنے بھائی کے گھر چھوٹنے پر افسردگی پر محمول کرتیں ۔۔

پھر شمع نے اپنی کشتی محبت کو اس ناخدا کے ہاتھ چھوڑ دیا جو کہ اس کائنات کا خالق تھا، یہ اس کی بدنصیبی ہی تھی کہ نعمان ٹریننگ کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا اور مزید ایک مہینے تک اس کے واپس ہونے کے امکانات نہ تھے اور نہ ہی اس سے ملاقات کی کوئی سبیل ۔۔

تقدیر کے آگے ہر کوئی بے بس ہوتا ہے شمع بھی بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا جب کہ اسے دلہن بنا کر عروسی لباس میں وداع کر دیا گیا، وداعی کے وقت وہ اتنا روئی کہ اس کی بھابی کا دامن اس کے آنسوؤں سے بھیگ بھیگ گیا، اس کے بھیا زاہد صاحب نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے وداع کر دیا، وہ اپنے اجنبی

جیون ساتھی کا انجانا انجانا سا خاکہ اپنے ذہن میں بسائے بھائی کے گھر کی دہلیز چھوڑ سے سسرال چلی گئی ۔۔

حجلۂ عروسی میں جب اس کے جسم و جان کا مالک اس کے قریب آیا اور اس کا سرخ ریشمی گھونگھٹ الٹ کر کہنے لگا:

"حضور ۔۔۔ ذرا اپنی آنکھوں سے پلکوں کی یہ مخملی چلمن تو اٹھائیے ۔۔ تو چونک کر اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں، اس کے روبرو خوبصورت شیروانی میں ملبوس نعمان اپنی تمامتر وجاہتوں کے ساتھ بیٹھا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے تک رہا تھا ۔۔"

وہ خوشی کے بے انتہا احساس کے زیر اثر رو دی اور کہا ۔۔۔ "یہ سارا ڈرامہ کیا تھا نعمان ۔۔۔ میری تو جان ہی نکلی جا رہی تھی ۔۔۔؟"

"شمع ۔۔۔ میری ہی گزارش پر زاہد بھائی نے یہ سب کچھ راز میں رکھا، کیونکہ یار جب کوئی کسی چیز کو کھو کر دوبارہ پالیتا ہے تو وہ خوشی کچھ اور ہی ہوتی ہے اور شاید تم یہ بھول گئی تھیں کہ میں نے پہلی ملاقات میں تم سے کہا تھا کہ اگر ان آنکھوں نے تمہارے علاوہ کسی اور کو دیکھنے کے جرم کا ارتکاب کیا تو خدا کرے کہ ۔ ان آنکھوں کی بصارت ہی چھن جائے ۔۔۔ "نعمان اس کے ملکوتی حسن کی پھیلی ہوئی خوشبو سے مدہوش ہوتے ہوئے کہنے لگا تو اس نے اپنے لرزتے ہوئے حنائی ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیے اور کہا:

"مجھے آپ کی ان آنکھوں پر اور ان کی پسند پر ناز ہے ۔۔۔"

"آپ کی پر خلوص چاہتیں اور پاک جذبوں نے بالآخر مجھے جیت ہی لیا" پھر وہ نعمان کی محبت بھری آغوش میں سماتی چلی گئی ۔۔۔"

(ماہنامہ پاکیزہ آنچل دہلی)

صدف، بلیحہ، نادیہ اور نورین چاروں میں بہت زور کی بحث جاری تھی اور موضوع گفتگو تھا ذیشان

" میں تو کہتی ہوں ذیشان بھائی کو کوئی ایسی ہی لڑکی سوٹ کرے گی جس کا قد اونچا ہو، رنگ صاف، آنکھیں بڑی بڑی کٹورا سی اور کھڑی ناک والی اعلیٰ تعلیم یافتہ کسی بڑے امیر کبیر گھرانے سے تعلق ہو۔۔۔! " صدف جو ذیشان کی چچازاد بہن تھی بڑی ادا سے کہہ رہی تھی

" ہاں صدف تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو ذیشان بھائی خود بھی تو کسی شہزادے سے کم نہیں ہیں۔ دراز قد، کتابی چہرہ کھلتا ہوا رنگ اور سیاہ گھنگریالے بال، اعلیٰ تعلیم یافتہ یورپ اعلیٰ علاوہ بر آں ایس تو کہتی ہوں کہ لڑکی بھی ان کی شریک زندگی بنے گی وہ ضرور اپنی تقدیر اپنے رشک کرے گی" بلیحہ نے اپنی رائے ظاہر کی

دیکھتے ہیں ذیشان بھائی کا اپنا انتخاب کیسا ہوتا ہے کس خوش قسمت کو پسند کرتے ہیں، ظاہر ہے وہ جیسے ہیں ان کی اپنی پسند بھی تو اتنی ہی اعلیٰ ہوگی۔! " نادیہ جس نے ذیشان کو من ہی من اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھائے رکھا تھا کہنے لگی وہ خود بھی بہت خوبصورت تھی اسے امید تھی کہ ذیشان اسے ضرور پسند کرے گا، نادیہ ان کے ماموں کی لڑکی تھی، اسے یہ بھی علم تھا کہ اس کی پھوپھی عائشہ بیگم اسے اکثر پسندیدہ نگاہ سے دیکھا کرتی ہیں۔

نورین کو بے حد خوشی ہوئی، ذیشان اس کا اکلوتا بھائی تھا اور اپنے بھائی کی تعریف سن کر ظاہر ہے کہ ہر بہن فخر سے پھولنے لگتی ہے اس نے بھی

اپنے بھائی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی

"ارے لڑکیو کیا ہو رہا ہے ..." سمجھیے ننھی صالحہ بیگم کی کرخت آواز ان لوگوں کی سماعت سے ٹکرائی، چاروں گھبرا کر اپنے اپنے گھروں کا رخ کرنے لگیں، صالحہ بیگم صدف کی والدہ تھیں اور ذیشان و نورین کی چچی جان لیکن تھیں بڑی جرنیل قسم کی، بڑا دبدبہ تھا ان کا، ان کے آگے خاندان کا کوئی لڑکا یا لڑکی اونچی آواز میں بات تک نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ صدف کے ابو عابد حسین بھی ان کے آگے ہتھیار ڈال دینے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔

زاہد حسین اور عابد حسین دو بھائی تھے ایک ہی کوٹھی کے دو مختلف حصوں میں الگ الگ رہتے تھے لیکن دونوں بھائیوں کا بزنس مشترکہ تھا، شہر کے مصروف ترین بازار "عابد سرکل" میں ان کی کپڑے کی بہت بڑی دکان تھی جس کی مالیت لاکھوں کی تھی۔ ان دونوں نے اپنی زندگی کا ایک اصول اور ضابطہ بنا رکھا تھا کہ بزنس کی ساری باتیں گھر کے باہر طے کی جائیں گی۔ گھر میں اور گھر والیوں میں کوئی تذکرہ نہ ہوگا چنانچہ اسی اصول اور ضابطہ پر چل کر دونوں کے گھر خوشحالی کے مظہر تھے اور کاروبار جو کہ چند ہزار سے شروع کیا تھا اب لاکھوں تک جا پہنچا تھا۔

کوٹھی تو ایک ہی تھی لیکن دو پورشن علیحدہ علیحدہ تھے صدر دروازہ جو کہ مین سٹ کھلتا تھا ایک ہی تھا۔ دونوں گھروں کو ایک چھوٹی سی دیوار علیحدہ کیے ہوئے تھی لیکن ایسی کوئی دیوار ان کے دلوں میں ابھی تک نہ بن پائی تھی، یوں تو گھر الگ تھے لیکن اکثر وہ سب ایک ہی جگہ ایک ہی دسترخوان پر مل جل کر کھایا پیا کرتے۔

زاہد حسین کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا، بڑی لڑکی نسرین کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ ریاض میں مقیم تھی، لڑکا ذیشان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا اور چھوٹی بیٹی تھی نورین جو ابھی زیر تعلیم تھی۔ وہ ہیوم سائنس میں گریجویشن کر رہی تھی، عابد حسین کو اللہ نے دو اولادیں عطا کی تھیں، عامر بڑا تھا اور صدف چھوٹی، عامر بزنس مینجمنٹ کا کورس مکمل کر کے اپنے تایا اور ابو کے ساتھ بزنس میں جت

بڑا بزلہ سنج تھا۔ اکثر لڑکیوں کی محفل میں جا بیٹھتا اور اپنے نت نئے لطیفوں سے ہنسا ہنسا کر ہر ایک کا برا حال کر ڈالتا۔ ویسے وہ ساری لڑکیوں کا بہت ہی پیارا بھائی تھا۔ ہر ایک اپنی ضرورت کی چیزیں اسی سے منگواتیں اور وہ ہر ایک کی فرمائش بڑی خندہ پیشانی سے پوری کرتا۔ موسم گرما کی شام تھی۔ آج کی شام اچانک ہی خوشگوار ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ اطراف میں ضرور کہیں بارش ہوئی تھی کیونکہ ہوائیں اپنے ہمراہ مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو بھی لئے ہوئے تھیں۔ دن بھر کی تپتی دھوپ کے بعد اگر اچانک ہی موسم اس طرح فرحت بخش ہو جائے تو کون نہیں چاہے گا کہ کھلے صحن میں جا بیٹھیں چنانچہ چاروں لڑکیاں آم کے درخت تلے تخت ڈلوائے اپنا قبضہ جمائے بیٹھی تھیں، ٹھنڈی ہوائیں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ صدف، ملیحہ، نادیہ اور نورین بہت چہک رہی تھیں۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پھر وہی ذکر چل نکلا تھا کہ ذیشان کی دلہن کیسی ہونی چاہیئے انھوں نے ذکر چھیڑا ہی تھا کہ ذیشان صدر دروازے سے سیدھا ان ہی کی طرف آپہنچا۔

"لگتا ہے تم چاروں کو کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔ جب دیکھو قبضہ جمائے ادھر ادھر کی منطق لئے بیٹھی ہیں۔" اور آپ کو ہمارے اس طرح بیٹھے رہنے سے سدا کا بیر کیوں ہے ذیشان بھائی۔؟" صدف نے بھی جوابی کارروائی کر ڈالی۔

"بھئی مجھے بیر کیوں ہو گا! دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ تم سب ہی پڑھائی لکھائی میں مصروف رہا کرو۔ آگے بڑھو۔ یہ نہیں کہ بے کار وقت برباد کرتی رہا کرو۔ اس طرح سے کہ جب دیکھو ہنسی میں مصروف ہو" ذیشان سنجیدگی سے انھیں سمجھانے لگا۔

"دراصل ذیشان بھائی۔ آج اچانک ہی موسم اتنا خوشگوار ہو گیا ہے کہ ہم سب نے سوچا چلو آم کے پیڑ تلے جا بیٹھیں اور موسم سے لطف اندوز ہوں، بھلا ہر روز تو اس طرح کا موسم رہے گا نہیں! نورین نے بھائی سے کہا۔

"ہاں واقعی موسم تو بہت دلنواز ہو گیا ہے۔ آج دن بھر شدید دھوپ رہی اور اب جو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں تو حقیقت میں فرحت بخش محسوس ہو رہی ہیں،

کیوں نہ اس فرحت میں مزید اضافہ کیا جائے ۰اگر گرما گرم چائے پی جائے تو کیسا رہے گا ؟ ذیشان نے چاروں کی طرف دیکھا،" تجویز بروقت ہے ،چائے ضرور پینی چاہیئے ۔ نادیہ نے تائید کی۔

" تم چاروں میں سب سے اچھی چائے کون بنا سکتا ہے وہ اٹھ جائے اور شاندار قسم کی چائے بنا لائے ۰اگر چائے واقعی شاندار ہوگی تو انعام بھی ملے گا ۔!ذیشان نے انعام کا آفر کیا تو چاروں لڑکیاں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں ۰ پھر نادیہ اٹھتے ہوئے باورچی خانے کی طرف چلی گئی ۰تھوڑی ہی دیر بعد وہ چائے کے ساتھ گرما گرم پکوڑے بھی بنا لائی تھی ،وہ سب پکوڑے کھانے لگے ۰پھر نورین نے چائے پیالیوں میں ڈالی اور پہلا کپ ذیشان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "بھائی جان چائے حاضر ہے ۰اپنا وعدہ نہ بھولئے گا ۔! "ذیشان چائے پینے لگا ۰ واقعی بہت لذیذ چائے بنی تھی ۰جیسے ہی سب نے چائے ختم کی ،ہر ایک کی نگاہ ذیشان پر ٹکی تھی کہ اس کا فیصلہ کیا ہوگا ۰ذیشان بہت دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے صدف سے پوچھا ،"کیوں صدف چائے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟"

"واقعی نادیہ نے تو کمال ہی کر دیا ذیشان بھائی میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اتنی شاندار چائے بھی بنا سکتی ہے ،لگتا ہے میڈم آپ کو مرعوب کرنا چاہتی ہیں ۰ ویسے ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ وہ انعام کی مستحق ہے "صدف نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"اور ملیحہ تم کیا کہتی ہو اس بارے میں "ذیشان نے ملیحہ کو گھسیٹا ۔

"میں صدف کی رائے سے متفق ہوں ،نادیہ کو ضرور انعام ملنا چاہیئے ۔ آپ نے تو صرف چائے کی فرمائش کی تھی لیکن بے چاری نے کافی محنت بھی کی اور پکوڑے بھی بنا لائی ،گرما گرم پکوڑے بڑے مزے دار بھی تھے ۔"ملیحہ نے بھی نادیہ کے حق میں ووٹ دیا ۔

"یوں لگتا ہے تم سب نے میری پاکٹ پر ڈاکہ ڈالنے کی کوئی اسکیم پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھی ۔ چلو ٹھیک ہے چائے واقعی لذیذ تھی اور نادیہ کو ضرور انعام سے نواز جائے گا ۰ذیشان نے اپنا فیصلہ سنا دیا ۔

"تھینک یو سر۔" نادیہ خوشی کے جذبات سے لبریز کہہ اٹھی۔

"یہ میں سر کہاں سے ہو گیا تمہارا۔۔؟" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا تو نادیہ جھینپ سی گئی، پھر ذیشان نے اپنی جیب سے پرس نکال کر سو روپیے کا نوٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا "دیکھو نادیہ اس انعام میں تم چاروں کا حق ہے، منروا تھیٹر میں ایک بہت ہی عمدہ اور گھریلو قسم کی فلم "کورا کاغذ" لگی ہے۔ تم چاروں دیکھ آؤ اور ساتھ ہی آئس کریم بھی کھالینا۔ میں سمجھتا ہوں فلم سبق آموز ہے اور ہر لڑکی کو دیکھ کر سبق سیکھنا چاہیے۔ چچی جان سے کہہ کر میں تم لوگوں کو اجازت دلوا دوں گا۔" ذیشان نے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ذیشان بھائی زندہ باد، ذیشان بھائی زندہ باد۔" چاروں نے مل کر خوشی میں نعرہ بلند کیا اور فلم دیکھنے جانے کی تیاری میں جٹ گئیں۔

"حسین منزل میں ہمیشہ ہی چہل پہل رہا کرتی تھی۔ زاہد حسین اور عابد حسین کی اکلوتی بہن صابرہ بیگم بھی حسین منزل سے کچھ ہی فاصلے پر رہا کرتی تھیں۔ اپنے گھر میں مگن، ان کی اپنی ازدواجی زندگی بھی اللہ کے فضل و کرم سے بے حد خوش حال تھی۔ انھیں اللہ نے ایک ہی اولاد ملیحہ کے روپ میں دی تھی، لیکن دونوں میاں بیوی نے ہر حال میں راضی بہ رضا رہنے والی طبیعت پائی تھی، انھوں نے ملیحہ کو ہر طرح کی تربیت دی تھی، امور خانہ داری سے لے کر بنائی سلائی تک ہر کام میں وہ ماہر تھی جب کبھی خالی ہوتی اپنے ماموؤں کے گھر چلی آتی اور نورین، صدف اور نادیہ سے مل کر محفلیں جماتی۔ آج بھی وہ اپنی امی سے اجازت لے کر حسین منزل چلی آئی۔

"کہو نورین کیا ہو رہا ہے۔"

نورین کسی کام میں مشغول تھی جیسے ہی ملیحہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئی "آؤ ملیحہ چلو صدف کو بلا لیتے ہیں" وہ دونوں صدف کو آواز

دینے آگے بڑھنے لگیں کہ عامر چلا آیا۔

"ارے ارے یہ بلائیں کدھر کا رخ کر رہی ہیں آج۔؟"

"دیکھو عامر میں سمجھائے دیتی ہوں۔ تم دن بدن بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔ کیا اپنے سے بڑوں سے اسی طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ ملیحہ نے اسے ڈانٹ دیا۔" کیا کہا ملیحہ باجی اپنے سے بڑے۔ بڑی مشکل ہے دو مہینے کی بڑی ہیں آپ مجھ سے بھلا یہ فرق بھی کوئی فرق ہے۔ پرسوں ہی امی بتا رہی تھیں کہ آپ مجھ سے صرف دو مہینے پہلے اس جہانِ فانی میں تشریف لائی تھیں۔" عامر بھلا کب پیچھے رہنے والا تھا۔

"چاہے دو مہینے ہوں یا دو دن تمہیں تو اس فرق کو ماننا ہی پڑے گا ورنہ ہم بندیوں کا ادب کرنا ہی پڑے گا سمجھے۔ ورنہ میں تمہاری شکایت ذیشان بھائی سے ضرور کر دوں گی۔" ملیحہ نے جیسے ہی ذیشان کا نام لیا عامر نے وہاں سے کھسک جانے ہی میں اپنی عافیت جانی۔ اور ہنستا ہوا وہاں سے چلتا بنا۔

اچانک ہی حسین منزل پر اداسیوں نے اپنا ڈیرہ جما دیا تھا ہر سو خاموشی مسلط تھی اور ہر چہرے پر پریشانی اور فکر کی پرچھائیاں صاف پڑھی جا سکتی تھیں۔ سب سے زیادہ پریشان تو ذیشان تھا۔ اس کے تو ہوش ہی گم تھے کیوں نہ ہوں۔ اس کی عزیز از جان ہستی اس کی ماں جنھوں نے اس کی معمولی سے معمولی تکلیف پر اپنی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین قربان کیا تھا۔ اس کی امی عائشہ بیگم پر شدید قسم کا دل کا دورہ پڑا تھا۔ انھیں فوراً ہی میڈین ہاسپٹل میں داخل کروا دیا گیا تھا اور گذشتہ تین دنوں سے انھیں "شدید ایمرجنسی وارڈ" میں رکھا گیا تھا۔ سرہانے رکھا مانیٹر ان کی نبض کی رفتار بتا رہا تھا۔ ایک جانب گلوکوز دیا جا رہا تھا جو کہ قطرہ قطرہ ان کے جسم میں داخل ہو رہا تھا۔ موت اور زیست میں جنگ جاری تھی فتح کس کی ہو گی کوئی کہہ نہیں سکتا تھا۔ نورین کی حالت بھی قابلِ رحم تھی گذشتہ تین راتوں سے وہ بغیر پلک جھپکائے ماں کے سرہانے بیٹھی رہی تھی۔ روزانہ شام میں ملنے کے اوقات میں گھر کے سارے افراد اسپتال چلے آتے اور عائشہ بیگم کی صحت کیلئے دعائیں مانگا کرتے۔ تقریباً ایک ہفتہ کی مسلسل دوڑ دھوپ اور ڈاکٹروں کی توجہ اور منت

منت کے چیک اپ کے باعث اللہ نے کرم فرمایا اور عائشہ بیگم کی صحت کچھ سنبھل پائی۔ انھیں اب دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کمرے سے لگے ہوئے دو کمرے اور تھے اور ان کمروں کے مقابل میں اسی طرز کے تین کمرے اور تھے ان کمروں کو کشادہ راہداری علحیدہ کرتی تھی۔

آج صبح صبح ذیشان ٹفن کیریئر لئے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے جیسے ہی اپنی امی کے کمرے کی جانب بڑھے ایک لڑکی سے ٹکرا گئے۔ پھر معذرت خواہ لہجے میں مخاطب ہوئے "معاف کیجیے گا میں ذرا جلدی میں تھا" ذیشان نے متانت سے کہا۔

"جی کوئی بات نہیں۔ آئندہ احتیاط ضرور کیجیے گا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے آہستہ سے کہا اور اپنے سر پر اوڑھنی کا پلو جماتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ذیشان وہیں ٹھہرے بہت دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ اس کی پشت پر کالے کالے دراز بالوں کی چوٹی لہرا رہی تھی۔ اُس کا سانولا سلونا چہرہ جس پر بلا کی کشش تھی انھیں متحیر کئے ہوئے تھا۔ عام سا معمولی قسم کا صاف ستھرا لباس اس نے زیب تن کیا ہوا تھا۔ بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ خود بخود ان میں ڈوب جانے کو ذیشان کا جی چاہنے لگا۔ شرم وحیا کی دبیز چادر اس کے سلونے چہرے پر تنی ہوئی تھی پھر سر پر دوپٹہ واقعی غضب ڈھا رہا تھا۔ پھر اس کا وہ پر وقار لہجہ۔ ذیشان اپنے ہوش کھوئے دم بخود دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ نورین نجانے کب ان کے قریب آٹھہری تھی اور اپنے بھائی کو اس طرح مبہوت کھڑا دیکھتی رہی تو آواز دے ڈالی "بھائی جان کیا دیکھ رہے ہیں آپ اس جانب؟"

وہ چونک پڑے اور چوری پکڑے جانے پر شرمندہ شرمندہ سے بہن کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھے "نورین تم نے دیکھا ابھی کچھ دیر پہلے ایک لڑکی مجھ سے ٹکرا گئی تھی اور اس جانب گئی ہے؟

"میں نے یہ تو نہیں دیکھا کہ وہ آپ سے ٹکرائی تھی لیکن یہ ضرور جانتی ہوں کہ وہ عندلیب ہے۔ امی کے بازو والے کمرے میں اس کی خالہ امی داخل ہیں۔ انھیں بھی

دل کا دورہ پڑا تھا لیکن اب اللہ کا فضل ہے کہ وہ ٹھیک ہیں ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ مجھ سے مل کر گئی ہے بہت پیاری لڑکی ہے میں نے اس سے دوستی بھی کرلی ہے جب کوئی نہیں ہوتا اور اسکی خالہ امی سوئی ہوتی ہیں تو وہ ہمارے پاس چلی آتی ہے ۔بہت ساری پیاری پیاری باتیں کرتی ہے ،امی کو تو وہ نجانے کیوں پسند آگئی ہے مجھے آرام کرنے کیلئے کہہ کر خود امی کے بہت سے کام کرنے لگتی ہے ۔سنا ہے بے چاری کی امی بچپن میں چل بسی تھیں اور خالہ امی ہی نے پرورش کی ہے ،اس کے والد ہیں ضرور لیکن دوسری بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور عندلیب کو اس کی خالہ کے ہاں چھوڑ رکھا ہے "

نورین نے تفصیلی طور پر عندلیب کا تعارف پیش کیا تو ذیشان نے ٹفن کیریر نورین کو تھما دیا ۔ماں کی حالت دیکھی اور پھر آفس کیلئے روانہ ہوگئے ۔

ذیشان شام میں آفس سے سیدھے اسپتال پہنچے ماں سے ملے ،اب ان کی صحت بہتر ہوتی جارہی تھی ،ماں کی صحت سے مطمئن ہوکر وہ گھر آگئے منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے تبدیل کئے ،اتنے میں صدف چائے بنا کرلے آئی تھی "لیجیے بھائی جان چائے حاضر ہے ۔

"شکریہ بہت تکلیف ہورہی ہے تمہیں ۔ ذیشان نے کہا تو صدف ناراض ہوتے ہوئے کہنے لگی اس میں تکلیف کیسی ،اگر آپ ایسا محسوس کرتے ہیں تو لے آیئے ایک عدد بھابی ہم سب کیلئے تاکہ ہم سب کی تکلیف دور ہو ۔"صدف نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ پھر کہنے لگی "لیکن وہ خوبصورت ہونا چاہیئے بالکل آپ کی طرح ۔

"ٹھیک ہے سوچیں گے ۔انھوں نے صدف سے کہا پھر کچھ لمحے توقف کے بعد کہنے لگے ،پہلے امی جان کو صحت مند ہوکر گھر لوٹ آنے دو پھر تم لوگوں کی مراد بھی بہت جلد بر آئے گی ۔"ذیشان نے کہا تو صدف معنی خیز مسکراہٹ لئے رازداری سے پوچھنے لگی ،کیوں بھائی جان کہیں کسی نے آپ کے دل کو گھائل تو نہیں کردیا" پھر چائے کا کپ سمیٹتے مسکراتی ہوئی چلی گئی ۔

صدف کے جانے کے بعد ذیشان نے سگریٹ جلایا اور گہرا کش لیتے ہوئے کھڑکی تک چلے آئے ،اور دور تک دیکھتے ہوئے کسی خاص سوچ میں گم ہوگئے یہ سچ تھا

کہ عندلیب ان کے حواس پر چھا گئی تھی۔ وہ جب سے اسپتال سے لوٹے تھے ان کے حواس گم تھے۔ عندلیب ایک پل بھی ان کے تصور سے ہٹ نہیں پائی تھی۔ انھوں نے ایک سے ایک حسین لڑکی دیکھی تھی لیکن کسی نے بھی انھیں اس قدر متاثر نہیں کیا تھا جس قدر عندلیب کا سانولا سلونا حسن ان کے احساسات میں رچنے بسنے لگا تھا۔ جب سے وہ گھر لوٹے تھے عندلیب ہی کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔ اس کا سراپا بار بار ان کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ اس کا اوڑھنی سے ڈھکا ہوا سر، بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھیں، ستواں ناک اور نمکین سانولی رنگت۔ اس پر اس کا وہ پر اعتماد لہجہ "آئندہ احتیاط سے چلیے گا۔" یہ جملہ بار بار ان کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ وہ بے اختیار ہوئے جا رہے تھے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کی ایسی حالت تو کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مضبوط کردار کے مالک تھے۔

تب ہی ان کے اندر سے ان کے ضمیر نے انھیں آگاہی دی۔ "وہ تمھیں بھا گئی ہے ذیشان۔ تمھیں پسند آگئی ہے۔ تمہارے دل کے نازک تاروں کو جھنجھنا دیا ہے اس نے۔ اسی کا نام محبت ہے ذیشان۔" "کیا یہ سچ ہے؟" انھوں نے سوچا۔ "ہاں صد فیصد سچ ہے" ان کے دل نے کہا۔ پھر اچانک ہی انھوں نے اپنے تئیں ایک فیصلہ کر ڈالا اور مطمئن ہو گئے۔

بڑی بیگم عائشہ بیگم مکمل صحت مند ہو کر گھر لوٹ آئیں۔ ان کے صحت یاب ہونے پر بہت شاندار جشنِ صحت منایا گیا۔ اس جشنِ صحت میں نورین کے بے حد اصرار کرنے پر عندلیب بھی شریک ہوئی۔ نورین نے اس کا تعارف صدف، ملیحہ اور نادیہ سے کروایا۔ آج بھی اس نے بے حد سادہ لباس پہنا تھا لیکن پھر بھی جاذبِ نظر لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے سادگی اور پاکیزگی چھلک چھلک پڑتی تھی۔ ذیشان بھی کئی بار سب کی نظروں سے بچ کر اسے دیکھتے رہے تھے اور نظروں ہی نظروں میں اسے اپنے دل میں اتارتے چلے گئے تھے۔

دعوتِ جشنِ صحت کے ہنگامے جیسے ہی سرد پڑے ذیشان نے اپنی امی عائشہ

بیگم کو اپنی پسند سے آگاہ کیا تو وہ حیرت زدہ رہ گئیں اور کہنے لگیں۔

لیکن بیٹے وہ تمہارے معیار کے قابل قطعی نہیں ہے اور ہمارے اور ان کے گھرانے کا تفاوت و فرق بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ بہت کمزور حیثیت کی حامل ہے تمہارا اور ان کا میل ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور پھر میں نے تو یہ سوچ رکھا تھا کہ کوئی چاند سی بہو لے آؤں گی تمہارے لئے۔ عائشہ بیگم نے کہا تو ذیشان ناراض ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

امی جان ظاہری حسن اور مال و دولت کا میں قطعی قائل نہیں لڑکی کا باطن حسین ہو با کردار اور پاکیزہ ماحول میں پلی بڑھی لڑکی ہر اوصاف کی حامل ہوتی ہے چاہے وہ کسی غریب گھر کی کیوں نہ ہو یا اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔ آپ کو قطعی مایوسی نہیں ہوگی امی جان یہ میرا دعویٰ ہے۔ ذیشان نے پر اعتماد لہجے میں کہا تو عائشہ بیگم کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

انھوں نے کہا۔ ٹھیک ہے ذیشان بیٹے، میں تمہارے خیالات کی قدر کرتی ہوں، ویسے تو عندلیب مجھے بھی بہت پسند ہے بہت خدمت کی ہے اس نے میری لیکن میں نے کبھی اس نظریہ سے نہیں سوچا تھا، میں تمہارے ابو سے بات کرلوں گی پھر تمہیں بتاؤں گی

عائشہ بیگم نے کہا تو وہ چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ لگن سچی ہو اور چاہت بے لوث ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور انعام سے نوازتا ہے۔ عائشہ بیگم نے جیسے ہی زاہد حسین کو ذیشان کے خیالات سے آگاہ کیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھیں اپنے ولی عہد پر ناز ہونے لگا کہ کتنے اونچے خیالات کا مالک ہے ان کا بیٹا۔ انھوں نے عائشہ بیگم سے کہا۔ جب ذیشان کو لڑکی پسند ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کی تیاریاں ہونے لگیں، زاہد حسین کے کہنے پر عابد حسین نے بھی عاشر کا رشتہ طے کر ڈالا تھا اور اب دونوں شادیوں کی تیاریاں زور و شور سے تھیں۔ حسین منزل میں پھر ایک بار خوب چہل پہل تھی، کوٹھی کو دلہن

کی طرح سجایا جارہا تھا۔

لڑکیوں کی محفلیں بھی خوب جمنے لگی تھیں، صدف، ملیحہ اور نادیہ تینوں نے عندلیب کو عائشہ بیگم کے دعوت جشن صحت میں دیکھا ہوا تھا اس لئے وہ حیران تھیں کہ ذیشان بھائی اسے کیسے پسند کر بیٹھے، نادیہ کی ساری امیدوں پر چونکہ پانی پھر چکا تھا اس لئے وہ بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی، "ذیشان بھائی کی پسند اتنی گھٹیا ہوگی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

اس کی اس بات پر نورین کو بے حد غصہ آیا اس نے کہا، تمہیں پتہ نہیں عندلیب بے انتہا خوبیوں کی مالک ہے اور پھر کیا کمی ہے بے چاری میں، بال اتنے دراز اور خوبصورت کہ دیکھتے ہی رہ جاؤ، گہری جھیل جیسی چمک دار آنکھیں ستواں ناک اور چہرے پر بلا کی مٹھاس صرف رنگ ہی تو تھوڑا سا کم ہے۔! ظاہر ہے خدا نے ہر شخص میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور رکھی ہے۔"

"ہاں نورین یہ بات تو تم نے صدفی صد سچ کہی ہے اگر رنگ کو نظر انداز کردو تو عندلیب واقعی بہت پیاری لڑکی ہے، یوں کہو کہ دیکھنے والی نظر چاہیئے"، ملیحہ نے نورین کی تائید میں کہا۔

جب ذیشان بھائی نے انھیں پسند کیا ہے تو ظاہر ہے ان سے متاثر ہوکر ہی پسند کیا ہوگا۔! ویسے بھی ذیشان بھائی ظاہری حسن پر مرنے والے شخص نہیں ہیں وہ بڑی گہری نظر رکھتے ہیں، اب اگر کسی کو مایوسی ہوئی ہو تو اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور ہے" صدف نے نادیہ پر چوٹ کی، جس کی تاب نہ لاکر وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تو ان تینوں کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ مبارک گھڑیاں بھی آن پہنچی دونوں بھائیوں کا نکاح ایک ایک دن کے وقفے سے ہوا دعوت ولیمہ مشترک رکھی گئی، شہر کی باعزت اور معزز ہستیوں نے شادی کی محفل کو رونق بخشی اور ڈنر میں شریک ہوئے۔

عندلیب ذیشان کی پہلی پسند بن کر ان کی شریک حیات بن گئی، اس نے سوچا

بھی نہ تھا کہ وہ اتنے بڑے گھر کی بہو اور ایک خوبرو اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کی شریک حیات بن جائے گی۔ اس نے اپنے مالک حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہو کر اس انعام پر شکر ادا کیا اور اپنے اس گھر اور اس کے مکینوں کے دل جیتنے کے جتن کرنے لگی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ کرلیا، ہر ایک کی زبان پر عندلیب ہی کا نام تھا، عائشہ بیگم بھی اس کی سلیقہ مندی اور سعادت مندی کی قائل ہونے لگیں۔ ذیشان خوش تھے کہ ان کا انتخاب غلط نہ تھا ایک ایسی لڑکی شریک حیات کے روپ میں ملی تھی جو ان کے گھر کو واقعی نمونہ جنت بنا سکتی ہے۔

ادھر عامر شدید الجھنوں میں گرفتار تھا کیوں کہ اس کی دلہن ایک ضدی اور ہٹ دھرم قسم کی لڑکی تھی، دیکھنے میں بے حد حسین تھی شہر کے ایک بہت بڑے بزنس مین کی اکلوتی اولاد تھی جسے بے جا لاڈ پیار نے کہیں کا نہ رکھ چھوڑا تھا اس کے پاس نہ ہی بڑوں کی عزت تھی نہ ہی چھوٹوں سے پیار، اپنی ساس کی کسی بات کو ماننا اپنی بے عزتی تصور کرتی تھی، شوہر کے کسی کام کو کرنا اپنی بے عزتی مانتی تھی، ساس سسر کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی، نام شاہانہ تھا تو اطوار بھی شاہانہ ہی تھے صدف اپنی بھاوج کی ایک ایک حرکت نوٹ کرتی اور اس کا مقابلہ عندلیب بھابی سے کرتی تو اسے احساس ہوتا کہ شاہانہ عندلیب کے پاؤں کی گرد کو بھی نہ چھو سکتی تھی، اس نے دل ہی دل میں ذیشان کی پسند کو سراہا، اور اپنے دوسرے بھائی کی قسمت پر اسے افسوس ہونے لگا۔

صالحہ بیگم کی زبانی جب عائشہ بیگم نے عامر کی دلہن شاہانہ کے بارے میں سنا جو کہ دیکھنے میں پری جمال حسن کی مالک تھی لیکن سیرت سے خالی، دل ہی دل میں انھیں اپنی بہو عندلیب اتنی خوبصورت لگی کہ خوشی کے احساس کے زیر اثر انھوں نے نورین کو آواز دی "نورین او نورین۔ کہاں ہو تم ذرا ادھر تو آنا۔"

"جی امی ابھی آئی" کہتی ہوئی نورین بھاگی بھاگی چلی آئی۔ "ذرا اپنی بھابی کو تو بلا لاؤ" انھوں نے نورین کو ہدایت دی۔ "جی ابھی بلائی۔" کہتی ہوئی وہ عندلیب کے کمرے کی جانب دوڑی چلی گئی، پھر کچھ ہی لمحے بعد وہ اپنی بھابی عندلیب کے ہمراہ عائشہ بیگم کے سامنے موجود تھی۔

"آداب امی جان چچی جان" عندلیب نے بڑے ہی ادب و احترام سے عائشہ بیگم اور صالحہ بیگم کو سلام کیا۔ وہ آج ہلکے آڑیج کلر کی شفان ساڑی میں ملبوس تھی اور اس کا سانولا جسم نکھرا ہوا تھا بیحد بھلی لگ رہی تھی۔ عائشہ بیگم نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیں اور کہا، جیتی رہو بیٹی۔ لمبی عمر پاؤ۔ دونوں نے اسے دعاؤں سے نوازا۔ پھر عائشہ بیگم نے اسے اپنے قریب بلایا اور سینے سے لگالیا پھر کچھ لمحے توقف کے بعد کہنے لگیں "بیٹی آج سے اس گھر کی ساری ذمہ داری میں تمہیں سونپ رہی ہوں، آج تمہیں "بہو رانی" کا خطاب دیا جاتا ہے۔" پھر انھوں نے چابیوں کا ایک وزنی گچھا عندلیب کی طرف بڑھایا تو وہ انھیں بھرپور اعتماد سے سنبھالتے ہوئے عائشہ بیگم کے سینے سے جالگی اور گویا ہوئی۔

"امی جان دعا کریں کہ میں یہ ذمہ داری بحسن خوبی نبھا سکوں۔"

ذیشان جو کچھ لمحے قبل دبے قدموں سے وہاں آپہنچے تھے اس جذباتی منظر کو دیکھتے رہے ان کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو چلی تھیں۔ انھوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بالآخر ان کی عندلیب نے ان کی ماں کا دل جیت ہی لیا اور آج بہو رانی بن بیٹھی۔ انھوں نے فرط مسرت اور محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں سمجھتا ہوں بہو رانی کے دور حکومت میں ہمیں چائے بھی ملے گی کہ نہیں۔"

ان کی آواز جیسے ہی عندلیب کی سماعت سے ٹکرائی وہ شرماتی ہوئی اپنی ساڑھی کا آنچل سر پر ڈالتی ہوئی باورچی خانے کی طرف دوڑتی چلی گئی اور عائشہ بیگم صالحہ بیگم اور ذیشان کے چہروں پر خوشی نے بھرپور مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔

(ماہنامہ پاکیزہ، دہلی)